نبیرہ حضرت گنج کرم، نازِ سادات، فخرِ اہلِ طریقت، محب و محبوبِ ربانی، زبدۂ عارفانِ نقشبند

حضرت علامہ صاحبزادہ پیر سید غضنفر علی شاہ صمصام بخاری علیہ رحمۃ الباری

المعروف

پیر جی سرکار کرماں والے

مختصر حالات، واقعات، تاثرات

مرتبہ

کوکب نورانی اوکاڑوی

کرماں والا پبلشرز۔ کراچی

نبیرہ حضرت گنج کرم نازِ سادات، فخرِ اہلِ طریقت، محبِ محبوبِ بانی زبدہ عارفانِ نقشبند
حضرت علامہ صاحبزادہ پیر سید غضنفر علی شاہ صمصام بخاری علیہ رحمۃ الباری

المعروف

پیر جی سرکار کرماں والے

مختصر حالات، واقعات، تاثرات

مرتبہ

کوکب نورانی اوکاڑوی

کرماں والا پبلشرز۔ کراچی

عالم اسلام کے ممتاز و محترم خطاط الحاج حافظ محمد یوسف سدیدی مرحوم، مغفور کے قلم خوش رقم سے لکھا ہوا حضرت پیر جی کا نام مبارک

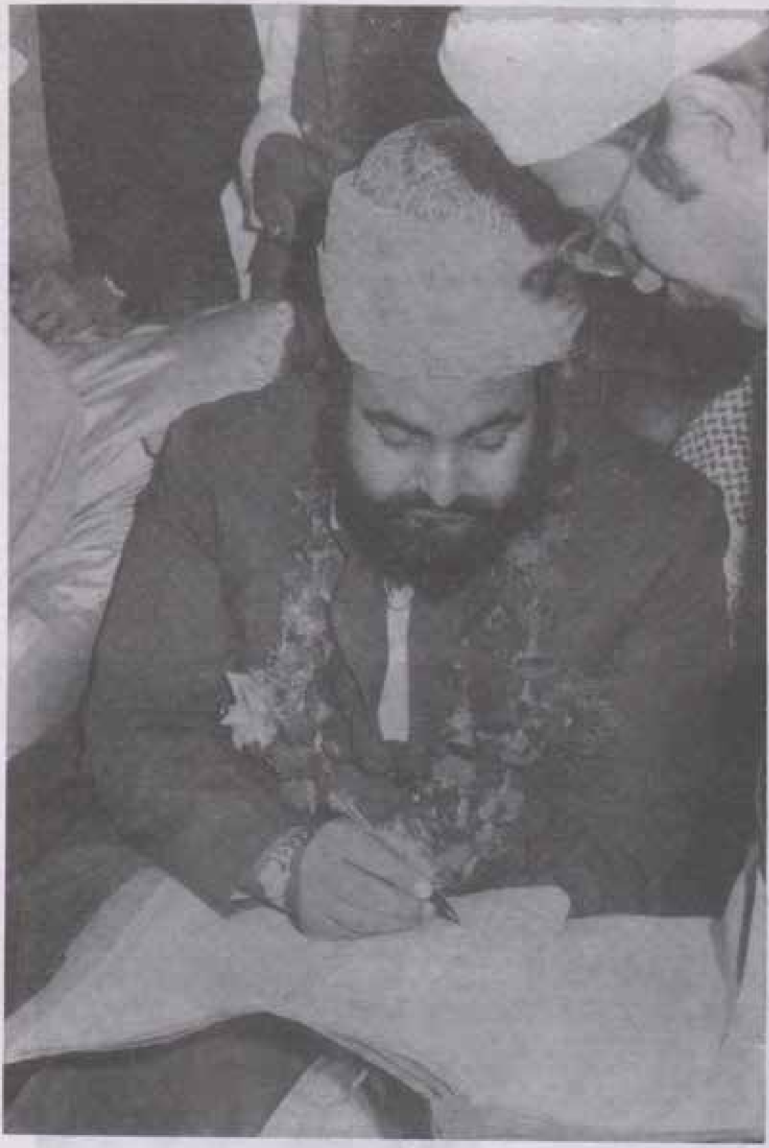

تیری صورت سے نہیں ملتی کسی کی صورت
ہم جہاں میں تیری تصویر لیے پھرتے ہیں

پیر جی سرکار

مجھے اپنی فرومائگی اور ہیچ مدانی کا اچھی طرح احساس ہے

من ہیچ نیم تو ہمہ ہستی

آپ کو مقام محبوبی حاصل تھا۔ محبوب رب' محبوب رسول' آپ محبوب اولیاء تھے۔ آپ تو سب کے محبوب تھے۔ آپ کی محبت کی خوشبو نے بستیوں کو مہکایا۔

جب تک جیے' سربلند ہو کر جیے' آباء کو آپ پر ناز تھا تو معاصر اور وابستگان کو آپ کی ذات والا صفات سے نسبت پر یک گونہ افتخار۔

بے شک آپ اپنے باکمال بزرگوں کے فضل و کمال کا پیکر تھے۔

نیکی آپ کا اثاثہ' دل آویزی و دل ربائی آپ کا خاصہ تھی۔ یقین کیجئے' یہاں ہر دل میں آپ کے لیے عقیدت ہی عقیدت ہے' محبت ہی محبت ہے۔ اتنی کم عمر میں یہ فضیلت و مرتبت و لے کسے نصیب ہوتی ہے۔

مجھے یقین ہے وہاں باغ جناں میں آپ اپنے نانا جان' سرور کائنات' محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال کے مشاہدے سے سرمست ہوں گے۔ یہاں ایک میں ہی نہیں جانے کتنے آپ کے منظر دل فروز کی محرومی پر گریہ کناں ہیں۔

آپ کا وجود سب کے لیے سرمایہ اعتبار تھا' توانائی اور روشنی کا باعث' سچ پوچھیے' آپ سے تو زندگی کا نشہ تھا۔

اعتراف کرتا ہوں' جو سینے میں آپ کے لیے سمندر کی طرح ہے یہ نذرانہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ بہت کچھ کہنا اور لکھنا چاہتا تھا لیکن ابھی نہ زبان کو یارا ہے نہ قلم کو استقامت ہے۔ یہ چند لفظ بھی جانے کس عالم میں ممکن ہو گئے۔ نہ حق ادا ہوا ہے' نہ دل مطمئن ہوا ہے مگر حق تو شاید زندگی بھر نہ ادا ہو......

کوکب غفرلہ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف سے میرے تعلق کی ابتداء کے سلسلے میں پہلا بیان میرے اباجان کی زبانی ملاحظہ ہو۔

میرے والد گرامی مجدد مسلک اہل سنت خطیب اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ رحمتہ الباری نے مجھے بتایا کہ قیام پاکستان سے قبل کھیم کرن سے سات نوجوان تیار ہوئے کہ کرموں والا (انڈیا) جاکر حضرت گنج کرم پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ بخاری کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کیا جائے۔ تین ساتھی راستے کی کٹھنائی سے گھبرا کے آگے نہ گئے کیونکہ کچھ مسافت پاپیادہ طے کرنی ہوتی تھی۔ باقی ہم چار اپنے جذب و ارادے میں پختہ تھے اس لیے حضرت کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ پوچھا "باقی تین کہاں ہیں؟" عرض کی ہم تو چار ہیں۔ فرمایا "چلے تو سات ہی تھے نا۔" ہم چاروں کو احساس ہوا کہ حضرت کے بارے میں جو سنا تھا وہ غلط نہیں تھا' حضرت واقعی صاحب کشف و بصیرت ہیں۔ باقی تین کو حضرت نے نماز کی پابندی کی تلقین کی اور مجھے فرمایا "کالر والی قمیص نہ پہنا کرو' جاؤ اولیاء ہو جاؤ گے۔"

حضرت گنج کرم سے (میرے والد گرامی کی) یہ پہلی ملاقات تھی۔ بعد کو یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہر سال شرق پور شریف میں حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے عرس پر حضرت شیر ربانی کے خلفاء اور اکابر علماء و مشائخ کی زیارت ہوا کرتی تھی۔ تحریک پاکستان کامیاب ہوئی' حضرت ثانی صاحب قبلہ شرق پوری سے بیعت تھی' انہی سے زیادہ رابطہ تھا۔ وہ مسلم لیگ کے اجتماعات میں شریک ہوتے تو مجھے بھی ساتھ رکھتے' اکثر اجتماعات میں نعتیں اور نظمیں پڑھا کرتا۔ حضرت نے ہجرت کے لیے فرمایا تو اہل خانہ سمیت اوکاڑا آگیا ہم وہیں آباد ہو گئے۔ قیام پاکستان کے ایک دو برس بعد کی بات ہے کہ شرق پور شریف میں حضرت میاں صاحب کے عرس سراپا قدس میں شرکت کے لیے لاہور

جاتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضری دی' قدم بوسی کے بعد مزار شریف کے ساتھ ہی کھڑا تھا کہ کسی نے کندھے پر ہاتھ کے دباؤ سے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا' نظر پیچھے کی تو حضرت گنج کرم تھے اور فرما رہے تھے "رہنے دو یہ میرا پیر بھائی ہے" میں شرمندہ ہوا کہ میری توجہ نہیں تھی۔ میری شرمندگی دور کرنے کے لیے حضرت نے مجھے اپنے پہلو میں دبوچ لیا اور داتا صاحب کے مزار شریف کے اطراف پھرے اور پوچھا "داتا صاحب کے مزار کے کتنے دروازے ہیں؟" میں نے عرض کی کہ آٹھ ہیں۔ پھر پوچھا کہ جنت کے کتنے دروازے ہیں؟ عرض کی کہ آٹھ۔ مجھے حدیث شریف یاد آ گئی' **قبر المومن روضتہ من ریاض الجنتہ** ○ حضرت نے ہر دروازے پر لکھا ہوا شعر پڑھا اور ایک شعر مجھے پڑھنے کو کہا۔ میں نے پڑھا تو فرمایا "یہاں جو بھی محبت سے آتا ہے' خالی نہیں جاتا!" پھر فرمایا "حافظ جی! آپ سے تو اپنا رشتہ ہو گیا" آپ سے محبت ہو گئی" جانے ان کے فرمانے میں کیا تھا' مجھے بھی دل میں حضرت کے لیے عقیدت و محبت کا سمندر موج زن محسوس ہو رہا تھا۔ پھر میرا معمول ہو گیا کہ روزانہ رات کو عشاء کے بعد سائیکل پر سوار ہو کر آتا اور فجر تک حضرت کی خدمت میں رہتا۔ کتنے علوم و معارف حضرت سے حاصل ہوئے اور کتنا فیض پایا' اس کا بیان و احاطہ مشکل ہے۔ آپ چارپائی پر لیٹ جاتے اور فرماتے "ہاتھوں کو مکا بنا کر جسم دباؤ (مکیاں مارو)' میں مکیاں مارتا یہاں تک کہ حضرت کے سانس کی آواز قدرے بلند ہو جاتی تو میں ہاتھ نرم کر دیتا کہ نیند میں خلل نہ ہو۔ حضرت معاً کروٹ بدلتے اور فرماتے "حافظ جی ذرا زور سے دبائیں۔" روزانہ اکابر اولیائے کرام کی باتیں اور دیگر موضوعات پر لطیف نکات اور اسرار و رموز بتاتے۔ مجھے کتب کے مطالعے میں جہاں کہیں کوئی اشکال ہوتا کبھی پوچھ لیتا اور کبھی بغیر پوچھے حضرت وہی بات خود فرما دیتے اور شرح صدر ہو جاتا۔ ریلوے لائن پر گاڑی گزرتی تو خوب آواز ہوتی۔ حضرت پوچھتے "یہ گاڑی کیا آواز کرتی ہے؟" عرض کی "حضرت بھاپ بننے کی آواز ہے!" فرمایا "نہیں یہ سانس کے ساتھ ذکر کرتی ہے۔" جب کبھی کسی جلسے سے ہو کر آتا تو پوچھتے کہ کیا بیان کیا؟ حضرت سنتے

اور خوش ہوتے اور بہت دعائیں دیتے۔ قریباً دس سال مسلسل حاضر ہوتا رہا۔ رسالہ خورد میں حضرت خواجہ عبدالصمد المعروف حضور صاحب علیہ الرحمہ کے جہلم سے واپس آ رہے تھے کہ حضرت نے فرمایا "آج حافظ جی کھڑے ہوئے ایسے جوش سے تقریر کر رہے تھے جیسے اڑ جائیں گے!" یہ فرما کر حضرت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے دل میں ٹھنڈے پانی کے قطرے اتر رہے ہیں اور مجھے بڑی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ میں جب کبھی آتا دونوں ہاتھ سر تک اٹھا کے مسکراتے ہوئے سلام فرماتے اور کہتے "لو بھئی' میرا پیر بھائی آگیا' یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں کوئی وہابی دیوبندی نہ رہے۔" فرماتے "برخوردار' پھرتے رہیں وہ بھی' کیڑے مکوڑے بھی تو پھرتے ہیں۔" پھر فرماتے "یہ نہ ہوں تو تمہاری پہچان کیسے ہو؟" فرمایا "حافظ جی! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو زیادہ محبت ہے یا اللہ کریم کو؟ آپ اللہ کے محبوبؐ کی ثنا کرتے ہیں' آپ بھی اللہ کے پیارے ہیں۔ دفع کرو گستاخوں کو' آپ تو حضورؐ کی تعریف کرتے رہا کریں۔" ایک روز محفل میں غالباً حضرت سفیان ثوری کا واقعہ سنا رہے تھے کہ خوف الٰہی سے ان کی کمر جھک گئی تھی۔ سب پر گریہ طاری ہو گیا۔ میں نے کہا کہ جب ان مقدس ہستیوں کا یہ احوال ہے تو ہمارا کیا ہو گا؟ حضرت نے تین مرتبہ جوش سے فرمایا "تم تو محبوب ہو' تم تو محبوب ہو' تم تو محبوب ہو۔"

برلا ہائی اسکول اوکاڑا میں دینیات پڑھانے کی اضافی ڈیوٹی میں نے قبول کر لی تھی۔ مسجد مہاجرین میں جمعہ پڑھاتا تھا۔ راتوں کو جلسے ہوتے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب بہت خوش تھے کہ جب سے میں نے تدریس شروع کی تھی' طلبہ کے نتیجے اچھے تھے۔ انسپکشن کے لیے انسپکٹر کے آنے کی خبر آئی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا کہ مدرس کی تقرری کی شرائط میں ہے کہ وہ بی اے' بی ایڈ ہو اور آپ کے پاس صرف دینی تعلیم کی اسناد ہیں۔ اگر انسپکٹر آف اسکولز معترض ہوا تو مشکل ہو جائے گی اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کو اسکول سے بے دخل کیا جائے' کیوں کہ آپ کی وجہ سے طلبہ میں دینیات کا شوق فزوں ہو رہا ہے اور نتیجہ

نہایت عمدہ ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ وہ آپ کے بارے میں سوال نہ کرے تاہم اگر وہ آپ سے کچھ پوچھے تو توجہ سے جواب دیجئے گا' اللہ کرے کہ وہ آپ کے بارے میں اچھی رپورٹ لکھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب فکر مند تھے۔ میں شام حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خاموش بیٹھا تھا۔ حضرت نے فرمایا "حافظ جی! آج آپ چپ کیوں ہیں؟" عرض کی کہ اسکول میں صبح انسپکٹر نے آنا ہے۔ فرمایا "وہ کیا ہوتا ہے؟" اور انسپکٹر کے لفظ کو تین ٹکڑوں میں دہرایا۔ "انس۔پک۔ٹر" فرمایا "وہ کیا کرے گا آکر؟" عرض کی کہ وہ رپورٹ لکھے گا۔ فرمایا "رپورٹ کیا ہوتی ہے؟" عرض کی کہ وہ اگر گڈ (Good) لکھ دے گا تو نوکری بھی پکی رہے گی اور تنخواہ بھی بڑھ جائے گی۔ فرمایا "گڈ کیا ہوتا ہے؟ آپ تو بہت اچھے ہیں۔" پھر فرمایا "کتنی تنخواہ بڑھ جائے گی؟" عرض کی پانچ یا دس روپے' پوچھا "آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟" عرض کی ۸۰ر روپے ماہانہ۔ فرمایا "حافظ جی آپ کی تنخواہ چار سو روپیہ ہے" میں نے عرض کی کہ ہیڈ ماسٹر کی بھی اتنی نہیں ہے تو میری تنخواہ کیسے اتنی ہو سکتی ہے! فرمایا "آپ کی تنخواہ چار سو روپیہ۔" جانتا تھا کہ یہ ولی اللہ ہیں اور مقرب الٰہی ہیں' جو فرما رہے ہیں وہ ہی ہو گا۔ اگلی صبح انسپکٹر آیا' طلبہ سے جس قدر سوال پوچھے سب کا جواب صحیح اور عمدہ پایا تو بہت خوش ہوا' مجھے بلایا' مجھ سے چند سوال کیے اور جواب پا کر نہایت متاثر ہوا اور کئی جملے میری تعریف میں لکھے۔ ہیڈ ماسٹر حیران تھے کہ یہ سب کیسے ہوا' میں نے بتایا کہ حضرت گنج کرم کا فیض واثر ہے۔

میرے استاد محترم شیخ القرآن حضرت مولانا غلام علی صاحب نے فرمایا کہ اہل کراچی ماہ رمضان میں زکاۃ کی رقم سے دینی مدارس کی امداد کرتے ہیں تو اس سال آخری عشرہ کراچی گزارنا ہے۔ پہلی مرتبہ کراچی آیا' آرام باغ کی مسجد میں شبان قدر کے مرکزی اجتماع ہوتے تھے۔ پہلی شب مختصر تقریر کی اور چند اشعار پڑھے تو کراچی والے دیوانے ہو گئے۔ اتنے متاثر ہوئے کہ طاق راتوں کے علاوہ بھی تقاریر ہوئیں اور جامعہ حنفیہ اشرف المدارس اوکاڑا کے لیے چندہ بھی خوب ہوا۔ ارادہ تھا کہ جمعۃ الوداع اوکاڑا پہنچ

کرادا کریں گے لیکن کراچی والوں نے چاند رات تک جانے نہ دیا۔ عید کی صبح اوکاڑا پہنچا۔ اس کے بعد محرم کے پہلے عشرے میں اہل سنت کی طرف سے مجالس کے لیے پروگرام بنا اور دس روز مسلسل جلسے ہوئے تو گویا پوری کراچی میں دھوم مچ گئی۔ محرم شریف کا پورا مہینہ گزار کر اوکاڑا چلا گیا تو بولٹن مارکیٹ کے قریب ایم اے جناح روڈ پر کراچی کی سب سے بڑی میمن مسجد کی خطابت امامت کے لیے مسلسل اصرار کیا جانے لگا۔ میں اکیلا اعزہ و اقربا سے اتنی دور آنے پر راضی نہیں تھا۔ ادھر کراچی والے اظہار عقیدت و محبت میں دیوانگی تک پہنچ رہے تھے۔ مسجد کے ٹرسٹیوں کی طرف سے جو خط ملا تھا اس میں اقامت وغیرہ کے علاوہ ماہانہ تنخواہ چار سو روپے تحریر تھی۔ طے پایا کہ حضرت سے پوچھا جائے' جیسے آپ فرمائیں گے ویسا ہی کیا جائے گا۔ ابھی حاضر ہو کر سلام ہی کیا تھا کہ حضرت نے فرمایا "حافظ جی آپ سے کہا تھا ناکہ آپ کی تنخواہ چار سو روپے ہے۔" آپ نے فرمایا "حافظ جی! جاؤ' کراچی مدینہ منورہ کا دروازہ ہے۔ اللہ کریم کثرت مال بھی دے گا اور کثرت اولاد بھی' اللہ کریم اتنی برکتیں فرمائے گا کہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔" کچھ باتیں تعلیم فرمائیں۔ ڈیوٹی لگ گئی تھی' میں کراچی چلا آیا۔ اب روزانہ حضرت کی زیارت و ملاقات میسر نہیں تھی مگر فیضان جاری تھا اور نظر کرم ہر دم شامل حال تھی۔

۱۹۶۲ء میں زیارات و تبلیغ کے لیے بلاد اسلام کے سفر پر نکلا' پہلی منزل بغداد شریف تھی۔ محبوب سبحانی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوا اور گیارہ روز رہنے کی نیت کی۔ دن بھر عراق کے علاقوں میں مقامات مقدسہ کی زیارات کرتا اور رات حضرت غوث پاک کے قدموں میں رہتا۔ پہلی حاضری پر عرض کی کہ صرف زیارت کا تمنائی ہوں' اپنے دیدار سے نوازیں۔ روز عرض دہراتا۔ نقیب الاشراف پیر سید ابراہیم سیف الدین گیلانی (سجادہ نشین) بڑی شفقت فرماتے۔ ان سے بھی سفارش کروائی۔ دس راتیں گزر گئیں' زیارت نہ ہوئی۔ آخری شب تھی۔ اگلی صبح وہاں سے روانگی تھی۔ اس شب کچھ ناز کچھ نیاز سے بہت کچھ کہا اور روتا ہوا دیوان خانے کے اس کمرے میں آکر

لیٹ گیا جہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ قصیدہ غوثیہ کے اشعار پڑھتا ہوا سو گیا۔ خواب دیکھا کہ ایک نہایت خوش نما تخت ہے اور اس پر حضرت گنج کرم تشریف فرما ہیں اور تبسم فرما رہے ہیں۔ بیدار ہوا تو دل نے تعبیر دی کہ حضرت گنج کرم اس وقت غوثیت کے مقام پر فائز ہیں اور غوث اعظم نے یہی بتایا ہے کہ ان کو دیکھنا گویا ہمیں ہی دیکھنا ہے۔ کیا ان کو دیکھنے کے بعد بھی ہمیں دیکھنے کی کوئی حسرت ہے؟ دل کو سکون ہوا۔ آخری حاضری پر خوشی سے شکریہ ادا کیا۔ خواب کسی سے بیان نہیں کیا۔ شام' اردن' فلسطین وغیرہ اور حجاز مقدس کا سفر مکمل کر کے واپس آیا اور کچھ دن بعد اوکاڑا گیا۔ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے حسب عادت سلام میں پہل کی اور فرمایا "حافظ جی! آپ نے غوث پاک کی زیارت کر لی؟" میرے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کی عادت شریف تھی فرماتے تھے "بڑا شان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا" جب یہ فرماتے تو آنکھیں چمکتی تھیں جیسے جلوہ کر رہے ہیں۔ اس روز یہ بھی فرمایا "بڑا شان ہے غوث پاک کا۔" احباب حیران تھے۔ پھر میں نے سب کو خواب سنایا۔ جب کبھی حاضر ہوتا' اذان دینے اور امامت کرنے کو فرماتے۔ اذان میں تاکید ہوتی کی نام نبیؐ محبت و جوش سے ادا کرو۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جوش و جذبے سے لیا جاتا تو آپ سرشار ہو کر فرماتے "کوئی ماں پیدا نہیں کر سکتی حضورؐ سا!" اذان سے قبل آیت درود و سلام اور درود و سلام کا ورد ہوتا۔ فرمانے لگے "آج عربی لہجے میں امامت کراؤ" نعت شریف بہت شوق سے سنتے۔

ایک مرتبہ زیارت و عمرہ کر کے مصلیٰ' رومال' ٹوپی اور تسبیح کا ہدیہ لایا۔ وہ تسبیح جس کے امام میں عدسہ لگا ہوتا ہے۔ ایک طرف سے دیکھیں تو حرم کعبہ اور دوسری طرف سے حرم نبویؐ کی شبیہ نظر آتی ہے' حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے فرمایا "حافظ جی اس میں کیا نظر آتا ہے؟" عرض کی کہ کعبہ و روضہ رسولؐ حلقے میں بیٹھے افراد کو دکھا کر ان سے بھی پوچھا' سب نے وہی کہا۔ پھر خود دیکھتے ہوئے فرمایا "حافظ جی! مجھے تو شرق پور ہی نظر آتا ہے۔" حضرت کو پیر خانے سے کس درجہ محبت تھی۔

حضرت جلسوں میں نہیں جاتے تھے' صرف اعراس کی چند محافل میں جاتے تھے۔ اوکاڑا میں ایک جلسہ میں نے رکھا۔ حضرت ثانی صاحب قبلہ کو صدارت کے لیے مدعو کیا۔ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کا خطاب رکھا۔ حضرت ثانی صاحب کے احترام میں حضرت گنج کرم بھی تشریف لے آئے۔ بڑا روحانی منظر تھا۔ جلسے کے اختتام پر حضرت نے مجھے فرمایا کہ حضرت ثانی صاحب سے سب نے کہنا ہے کہ کرماں والے بھی تشریف لے چلیں۔ ہم سب نے کہا کہ ضرور عرض کریں گے۔ حضرت نے ثانی صاحب قبلہ سے کہا کہ کرماں والے بھی تشریف لے چلیں۔ حضرت ثانی صاحب نے ہونٹ دبا کر دزدیدہ نگاہ سے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا ''مجھے حافظ محمد شفیع نے بلایا ہے' وہ کہے گا تو ضرور چلوں گا۔'' میں اس ادا پر قربان ہوگیا اور عرض کی کہ حضرت ضرور چلیں۔ حضرت ثانی صاحب قبلہ اور مسکرائے۔ اگلی صبح حضرت ثانی صاحب قبلہ کرماں والے تشریف لے گئے تو جہاں جہاں حضرت ثانی صاحب کے قدم آئے وہاں کی مٹی حضرت شاہ صاحب نے کنویں میں ڈلوائی اور جس طرح خاطرداری کی اور جس تواضع کا مظاہرہ فرمایا وہ دیدنی تھا۔

اکتوبر ۱۹۶۲ء میں مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ پانچ زخم نہایت گہرے تھے' ڈاکٹر مایوس تھے مگر بفضل تعالیٰ میں جاں بر ہوگیا۔ صحت پا کر اوکاڑا گیا' ریوالور کا لائسنس اور اسلحہ لے لیا تھا اور گلے میں پہنا ہوا تھا۔ حضرت نے تبسم فرماتے ہوئے کہا کہ ''مار کھا کے اب پستول لٹکائے پھرتا ہے۔'' ریوالور ہاتھ میں لے کر دیکھا اور فرمایا ''حافظ جی! اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' ۱۹۶۲ء سے اب تک کبھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ حضرت گنج کرم نے فرمایا ''حافظ جی! کوئی آپ کو نہیں مار سکے گا' آپ مقبول ہیں بارگاہ رسولؐ میں۔'' جب حاضری ہوتی سب کو فرماتے ''جاؤ لنگر شریف سے کھانا کھاؤ۔'' مجھے اپنے ساتھ بٹھا کے اپنے ہی برتن سے کھلاتے۔ خانگی امور پر بھی گفتگو فرماتے۔ کتنی پیش گوئیاں فرمائیں' کتنی دعاؤں سے نوازا' کیا کیا عطا کیا' سب کا بیان ایک تفصیل ہے۔ میں

نے انہیں کراچی آنے کی دعوت دی' حضرت کو شہرت وغیرہ قطعاً پسند نہیں تھی۔ آنے کا وعدہ فرمایا مگر کچھ ایسا اہتمام کیا کہ ان دنوں آئے جب میں ملک میں موجود نہیں تھا۔ وہ ایک مثال تھے۔ سنت نبوی ؐ کا مجسم نمونہ اور مثالی پیکر تھے۔ کرامات اور مکاشفات میرے اپنے مشاہدے میں اس قدر ہیں کہ پوری کتاب ہو جائے۔ بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جنھیں ہر ایک سے نہیں کہا جا سکتا۔ وہ بلاشبہ غوث وقت اور قطب زماں تھے۔ بے مثال و لاجواب۔ خوشی ہے کہ میرا بیٹا انہی کی غلامی میں داخل ہے۔ حضرت کے فرزند و جانشین باباجی قبلہ' جو تصویر ہیں اپنے والد گرامی کی' اس سے بہت محبت فرماتے ہیں اور حضرت کے پوتے سید غضنفر علی شاہ صاحب جو خانقاہوں میں ایک مثال ہیں پیرزادگان کے لیے' اس کے ساتھ گہرے دوستوں کی طرح ہیں۔ حضرت فرمایا کرتے تھے ''اللہ کریم' بندہ بنائے' صاحب زادہ نہ بنائے۔'' باباجی نے اپنے فرزند کو اپنے بزرگوں کی وراثت کا نمونہ بنایا ہے۔ نہایت ذہین و خوش اخلاق اور متواضع ہیں۔ اللہ کریم اس گھرانے کا فیض جاری و ساری رکھے۔ آمین

اپنے والد گرامی سے سنے ہوئے مذکورہ بیان کا کسی قدر حصہ میں نے قلم بند کیا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ دس برس مسلسل حضرت گنج کرم کے در فیض پر اکتساب کرم کرتے رہے۔ میں جب کبھی سفر میں یا ایسے میں والد صاحب کے ساتھ ہوتا کہ ان کے ہاتھ میں کتاب و قلم نہ ہوتا یا کوئی اور ان کی توجہ کا طالب نہ ہوتا تو ان سے حضرت ثانی صاحب و اور حضرت صاحب کرماں والوں کے احوال سنانے کو کہتا۔ وہ خود قلم بند کرتے تو لطف ہی اور ہوتا' میں ان کا بیانیہ بھی صحیح طور پر بیان نہیں کر سکا' ان کی نگاہوں میں وہ منظر ہوں گے' وہ ہر بات کے باطن اور اسرار کو سمجھتے ہوں گے۔ میں جس قدر بھی ان سے جان سکا اس پر بھی کم خوش نہیں' وہ جب بھی ذکر کرتے' رقت سی طاری ہو جاتی۔ انھیں اپنے مشائخ سے عشق تھا۔ یہ مشائخ کا فیضان ہی تھا کہ انھیں مقبول جہاں بنا دیا۔ بارگاہ حبیب ؐ تک رسائی انہی مشائخ کے وسیلے سے ہوئی تھی۔ یہ تو والد محترم اور حضرت گنج کرم کی

نسبت کا احوال تھا' اس پس منظر کے ساتھ اب میں اپنا حال بیان کرتا ہوں۔

میری عمر بہت چھوٹی تھی جب مجھے دینی علوم حاصل کرنے کراچی سے اوکاڑا بھجوادیا گیا۔ میری پیدائش کراچی میں ہوئی اور ابتدائی عمر اوکاڑا میں گزری۔ مجھ سے پہلے دو بڑے بھائی گزر چکے تھے۔ میری ولادت کی خوش خبری حضرت ثانی صاحب قبلہ شرق پوری علیہ الرحمہ نے دے دی تھی۔ بڑے بھائیوں کی وفات کے بعد دو بہنوں کے بعد میں پہلا بیٹا تھا۔ میری پیدائش کی خوشی کی تقریب میں اکابر شخصیات شامل ہوئی تھیں جن میں سے اکثر کو میں نے بھی بعد میں دیکھا۔ ابتداء میں کچھ لاڈ ہوئے پھر اباجان نے مجھے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنے دیا۔ میرے معاملے میں وہ کوئی رعایت روا نہیں کرتے تھے۔ میں اوکاڑا اپنے دادا جان کے پاس رہتا اور اشرف المدارس اسکول اور مدرسہ ہر دو جگہ پڑھتا رہا۔ پرائمری اسکول میں پہلی مرتبہ حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ صاحب کی زیارت کی۔ شاید عمر میں چند ماہ میرے ان سے زیادہ تھے۔ پیرجی سفید لباس میں اسکول آتے' اسکول میں انہیں کسی سے بات کرتے ہوئے کم ہی دیکھا۔ ان کی کلائی پر گھڑی ہوتی' ہاتھ میں کبھی پتلی سی چھڑی رکھتے' سر پر بال بہت کم ہوتے' جسم فربہی مائل تھا۔ عقیدت سے ان کو دیکھا کرتا۔ ان کے دادا جان سے بہت محبت تھی۔ صرف انہی سے میرا تعارف تھا۔ وہ مجھے "نکو" اور کبھی "نکو مولوی" پکارتے تھے۔ صوفی سردار محمد صاحب اپنے بچپن میں کسی نیم حکیم کے ہتھے چڑھ گئے تھے جس نے انہیں جسمانی طور پر کبڑا سا کردیا۔ پیرجی کے لیے صوفی سردار صاحب دلچسپ ثابت ہوئے۔ اسکول کی بزم ادب کے ایک اجتماع میں پیرجی میرے ہم نشین تھے' باوجود اصرار کے انہوں نے کچھ نہیں سنایا۔ ماسٹر خوشی محمد صاحب مجھے یاد ہیں' سب طلبہ ان سے بہت ڈرتے تھے۔ میں کبھی ان کے عتاب کی زد میں نہیں آیا۔ ماسٹر اسلم علی صاحب میرے کلاس ٹیچر تھے مگر میں نے شاید ان سے کچھ نہیں پڑھا۔ حضرت مولانا غلام علی صاحب قبلہ ہی سے پڑھ سکا۔ حضرت کرماں والا جانے کا مرحلہ میرے لیے عید ہوتا۔ حضرت کا دیدار ہی مجھے عجیب تسکین دیتا تھا۔ میری خوش بختی کہ

بیعت کا شرف حاصل کر لیا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران اپنے خالو صوفی محمد عالم صاحب کے ہمراہ کراچی بلا لیا گیا۔ جنگ ختم ہوئی تو ایک بار پھر حضرت کی زیارت کا شرف ملا۔ ان دنوں حضرت (علاقہ) کسان کے باغات میں تھے۔ پھر دو ماہ بعد حضرت وصال فرما گئے۔ اباجان نے نور مسجد کراچی میں جمعتہ الوداع کے اجتماع میں روتے ہوئے ان کی وفات کا اعلان کیا۔

حضرت کے چہلم پر حاضری ممکن ہوئی۔ وہ اجتماع ساری زندگی نہیں بھول سکتا۔ کیا روح پرور اجتماع تھا۔ اباجان کا خطاب بھی سماعت میں خاصا محفوظ ہے۔ باباجی سے تجدید بیعت ہو رہی تھی۔ وہ اسی کمرے کے دروازے میں تشریف فرما تھے جہاں کبھی حضرت گنج کرم تشریف فرما ہوتے تھے۔ اباجان حضرت کے مرقد پر گریہ کر رہے تھے۔ مجھے فرمایا' ''حضرت شاہ صاحب یاد ہیں نا' دیکھا ہوا ہے نا؟'' میں بچہ ہی تھا' رونے لگا۔ جب کبھی اوکاڑا جانا ہوتا یا باباجی قبلہ کراچی آتے تو ان سے ضرور ملاقات ہوتی۔ اباجان کی زبانی حضرت کی باتیں ہمیشہ میرے لیے شوق و اضطراب کا باعث ہوتیں۔ مگر میرے اندر جمود تھا۔ باباجی قبلہ سے ۱۹۶۵ء سے ملاقات تھی۔ ان کا پہلا سفرِ حج مجھے خوب یاد ہے۔ اس کا تذکرہ بوجوہ نہیں کروں گا۔ باباجی ہر سال سفرِ حج پر تشریف لے جاتے' ان سے ملاقات رہتی' وہ بہت شفقت فرماتے۔ پیرجی سے بصیر پور میں ملاقات ہوئی۔ ان دنوں وہ حضرت مولانا محمد نور اللہ صاحب فقیہ اعظم بصیرپوری کے مدرسے میں پڑھا کرتے تھے۔ غلہ منڈی میں بینک کی عمارت کی چھت پر گرمیوں میں سوتے تھے۔ پھر طویل مدت تک پیرجی سے رابطہ نہیں ہوا۔ میں اپنی تعلیم مکمل کرتا رہا اور پیرجی بھیرہ میں پڑھتے رہے۔ پھر بسلسلہ تعلیم لاہور چلے گئے۔ میں کچھ برس عرس شریف میں بھی شریک نہیں ہوا۔ جانے وہ کون ساون تھا کہ مجھے برسوں بعد میرے حضرت خواب میں ملے' ایک بار' دو بار' دس بار' پچاس بار۔ میری تربیت بھی ہوئی اور میرے سوئے بھاگ بھی جاگے۔ اب عرس کی قید نہیں تھی۔ میں اٹھ اٹھ کے دربار شریف میں حاضر ہوتا' باباجی سے میری ملاقاتیں بڑھیں۔

مجھے پیرجی یاد آئے۔ ان دنوں پیرجی کسی امتحان کی تیاری کر رہے تھے مگر مجھے بڑے تپاک سے ملے۔ پیرجی نے بی اے کرلیا اور لاہور چلے گئے۔ لاہور میں پیرجی اور میری ملاقاتوں اور محبتوں کا وہ دور شروع ہوا جو میرے سینے پر نقش ہے۔ یک جان' دو قالب کی اصطلاح سنی تھی' اب دیکھ رہا تھا۔ ہر ماہ کبھی دو کبھی تین مرتبہ لاہور جانا ہوتا۔ پیرجی ہر لمحے ساتھ رہتے۔ ہاسٹل کے علاوہ کچھ عرصہ تحصیل دار پیر عارف کے ہاں پیرجی کا قیام رہا۔ کبھی چوبرجی کے قریب' بابو شریف صاحب کے ہاں۔

رات کے گیارہ بجے ہوتے' اچانک سب اٹھ کر شرق پور چل دیتے۔ امروز کے دفتر حافظ یوسف سدیدی صاحب کے پاس چلے جاتے۔ پیرجی مرنجاں مرنج اور کشادہ دل تھے۔ قاری صغیر' اسلم سیال' سب ہی پیرجی کی رفاقت میں خوش تھے۔ مودودی زدہ شرپسندوں نے پیرجی کو بھی تنگ کرنا چاہا۔ پیرجی نے خود کو سیاست وغیرہ سے کبھی آلودہ نہیں کیا۔ وہ دیگر طلبہ سے یکسر مختلف تھے۔ پیرجی اکثر داتا دربار تشریف لے جاتے اور اہل علم و فضل سے ملتے۔ پیرجی اہل علم و فضل کے لیے سراپا سپاس تھے مگر بے ہنر اور بے علم بھی ان کی شفقت سے محروم نہ رہتے۔ پیرجی کو گوارا نہ تھا کہ میں لاہور میں تنہا پھروں' حضرت میاں غلام احمد صاحب کہنے لگے "پیر غضنفر' کو کب کا ڈرائیور بنا ہوا ہے۔" پیرجی نے اس کو سراہا۔ کبھی میں مجبور کرتا کہ مجھے کہیں دیر لگے گی' فرماتے "کار لے جاؤ!" اور زبردستی کار دے کے بھیجتے۔ پیرجی کی شادی کا مرحلہ آیا۔ میں کتنے دن حضرت کرماں والا رہا' وہ بھی کیا دن تھے۔ سب کچھ کہاں لکھ سکتا ہوں۔ پیرجی کو گوارا نہیں تھا کہ میں ان سے ذرا بھی دور رہوں۔ اپنے بالکل قریب رکھتے۔ میں واپس آیا۔ ٹیلے فون پر روز رابطہ تھا جو برسوں رہا۔ اس سال مجھے یرقان ہوگیا۔ میں خط لکھتا رہا۔ پیرجی فون کرتے رہے۔ اس سال میں عرس شریف میں شریک نہیں ہوسکا۔ میری تحریر کے بہت مداح تھے۔ تقاضا کرتے کہ لکھنے میں زیادہ وقفہ نہ کروں۔

۱۹۸۴ء میں میرے والد صاحب کا بلاوا آگیا۔ پیرجی نے مجھے سنبھالا۔ والد صاحب کو

غسل دینے والوں میں شریک ہوئے۔ خود قبر میں اتارا' روز مجھے فون کرتے رہے' چہلم کی مجلس میں تشریف لائے۔ میری دنیا بدل چکی تھی' پیرجی میری تقریریں سنتے اور فرماتے "ایک وقت آئے گا تمہی تم ہو گے' اپنے ابا جان کی طرح۔" باباجی نے ایک دن کچھ فرمایا وہ پیش گوئی تھی۔ پیرجی وہ الفاظ دہراتے' فرماتے "دیکھنا ایسا ہی ہو گا۔" اوکاڑا میں یوم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جلسہ تھا' میرا خطاب تھا' پیرجی نے دیر تک میری تقریر کو سراہا۔ اوکاڑا میں جلسے ہوتے رہے' پیرجی ہر جلسے میں رونق افروز ہوتے۔ شرق پور شریف میں ختم شریف کے موقع پر میری ایک تقریر انہیں کچھ زیادہ پسند آئی۔ فرماتے "تم بہت اعتماد سے بولتے ہو!" فرمانے لگے "اب حضرت کرماں والے میں بھی تمہاری تقریر ہوا کرے گی۔" باباجی نے مجھے اسٹیج سیکریٹری مقرر کیا تو مجھ سے زیادہ پیرجی کو خوشی تھی۔ یوم عاشورہ کی ایک محفل میں میں نے انہیں کراچی مدعو کیا' پیرجی تشریف لائے اور دعا سے پہلے کچھ جملے' بہت پیار سے میری تعریف میں کہے۔

پیرجی بڑے مشاق ڈرائیور تھے۔ تیکنیکی معلومات بھی خوب تھیں' معاملہ فہمی میں ملکہ حاصل تھا' طبیعت میں سادگی و انکساری' نیکی ان کے بشرے سے ہویدا تھی۔ کراچی شہر میں وہ مدیر "سب رنگ" جناب شکیل عادل زادہ سے ضرور ملتے' پیرجی کا ادبی ذوق بھی خوب تھا۔ مشتاق احمد یوسفی اور کرنل محمد خاں کی تحریروں کے گفتگو میں حوالے دیا کرتے۔ نہایت ہنس مکھ' خوش طبع اور خوش کلام تھے۔ ۱۹۸۷ء میں اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کی تیاری کی' کراچی آئے' روانگی میں تین دن تھے۔ مجھے فرمایا کہ ساتھ چلو' دو دن میں میرا انتظام کیسے ہوا' یہ بھی ان کی کرامت تھی۔ حج کا سفر باباجی کے ساتھ تین مرتبہ کیا تھا' اب پیرجی ساتھ تھے' مدینہ منورہ میں پیرجی کا ساتھ' کیا کیا بیان کروں۔ اس کے بعد پھر ایک مرتبہ پیرجی کا ساتھ مدینہ منورہ میں رہا۔ پیرجی کیسی تکلیف میں ہوتے' ان کے منہ سے "اف یا ہائے" کسی نے کبھی نہیں سُنی۔ پیرجی کسی کرب میں تھے' مسجد نبویؐ میں اصحابِ صُفہ کے چبوترے کے ساتھ پشت لگائے بیٹھے تھے' کثرت سے زم زم پی رہے تھے' چہرے سے ظاہر

ہو رہا تھا کہ شدید تکلیف ہے مگر نہایت مودب تھے۔ لبوں پر یہی صدا تھی ""یا رسول اللہ' حضور! اک نگاہ کرم!""

برسوں یاری کی سی رفاقت رہی تھی' ایک معاملے پر میری رائے مختلف یا کسی قدر مخالف تھی' پیرجی برہم نہیں ہوئے' تپاک میں فرق نہیں آیا' رابطے میں وقفہ بڑھ گیا۔ (کوئی تھا جو کانٹا ہو گیا تھا) مجھے یہ شاق گزر رہا تھا۔ جب کبھی ملتے وہی دل داری جو خاصہ تھا ان کا' وہی دل ربائی جو مزاج تھا' ان کے پیار کا وہی عالم رہا۔ میں شاید مزاج شناس تھا' معمولی فرق کو بھی بہت محسوس کر رہا تھا۔ وہ میری دل جوئی کرنے لگے۔ لمبے دورانیے کے فون آتے رہے۔ پیرجی کو اچانک کار کا حادثہ پیش آیا' سب اہل خانہ ہمراہ تھے۔ اللہ کریم نے بچالیا' پیرجی کراچی آئے' واقعہ سنایا۔ بھائی نعیم کے ہاں قیام تھا۔ حضرت کرماں والا مسجد شریف کی تعمیر کی نگرانی کا ذمہ پیرجی نے لیا' مسجد گل زار حبیب' کراچی میں خطاط اعظم حافظ یوسف سدیدی کی خطاطی دیکھ کر فرمانے لگے ""یہ سب دربار شریف کی مسجد میں بھی لگوانی ہے۔"" مزار شریف کے لیے بھی میں نے خطاطی کروا کے دی۔ بہت خوش ہوئے۔ میرے حضرت کے لئے ""گنج کرم"" کا لقب مجھے القاء ہوا۔ تو اتنے خوش ہوئے کہ کئی بار مجھے چوما اور بہت دعائیں دیں۔

دائیں ٹانگ میں کوئی تکلیف تھی' پیرجی نے اچانک آپریشن کروالیا۔ شاید ڈاکٹر سے کوئی چوک ہو گئی کہ زخم مندمل نہ ہو سکا۔ مجھے خبر نہ ہوئی' میں ملک سے باہر تھا۔ واپس آیا تو پتہ چلا کہ پیرجی لندن گئے ہوئے ہیں۔ پیرجی واپس آئے' عرس شریف میں شریک ہوئے' جسم میں وہ توانائی نہ رہی تھی۔ عرس کی تقاریر مجھے لکھنے کو فرماتے' دستار مجھ سے بندھواتے' ختم شریف کی محفل میں علماء کی ترتیب اور دیگر ہدایات ارشاد فرماتے' مجھے بالکل اپنے ساتھ بٹھاتے۔ ختم شریف کے بعد ان کی تقریر کی تعریف کرتا تو فرماتے کہ تقریر تو حضرت مولانا غلام علی صاحب کی ہوتی ہے یا تمہاری ہوتی ہے' میرے بارے میں بہت کچھ فرماتے۔ میں پھول سمیٹتا رہتا۔ گزشتہ برس میں نے دعا کے لیے اعلان کیا' پیرجی

نے بڑی پیاری تقریر کی۔ خود روئے' سب کو رلایا' حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کشتہ تھے۔ میں واپس آیا' پتہ چلا کہ پھر لندن چلے گئے اور پھر سماعت پر یہ بجلی بھی گری کہ ٹانگ کٹ گئی۔ فون پر لندن بات ہوتی رہی۔ اوکاڑا میں شرق پور میں پیرجی اسٹیج پر نظر نہیں آتے تھے تو کوئی جچتا نہیں تھا۔ میں پھر تبلیغی دورے پر نکل گیا۔ حج میں باباجی سے ملاقات ہوئی۔ فرمانے لگے' "پیرجی اب بہتر ہیں۔ حج سے واپسی پر پھر لندن جاؤں گا اور پیرجی کو ساتھ وطن لاؤں گا۔" میں حج سے واپسی پر افریقا چلا گیا۔ واپس آیا تو باباجی ابھی تک نہیں آئے تھے۔ اوکاڑا کا ایک اور جلسہ پھر پیرجی کے بغیر ہو گیا۔ باباجی تشریف لائے' کراچی میں مختصر قیام فرمایا' پیرجی کا بتایا کہ بہت بہتر ہیں' دل کو ڈھارس ہوئی۔ میں نے لندن فون کیا' پیرجی بڑے پیار سے ہم کلام ہوئے' فرمانے لگے' "تیری تحریر پڑھے زمانہ ہو گیا" مجھے پتہ لکھوایا۔ میں نے اسی شب خط لکھا۔ میں بھارت کے دورے پر تھا کہ پیرجی وطن واپس آ گئے۔ باباجی میرے گھر بھی تشریف لے گئے' وہ جس روز اوکاڑا پہنچے میں دہلی سے لاہور آ کر اگلے روز وہاں پہنچا' پیرجی سے فون پر بات ہو سکی' عرس میں ایک ہی ہفتہ باقی تھا' ۲۸ر فروری کی صبح ختم شریف کی محفل تھی' جمعہ کا دن تھا۔ پیرجی چند لمحوں کو پہیئے والی کرسی پر آئے' ہر آنکھ اشک بار تھی۔ یہ وہی شیر جوان تھے جب محفل میں شیروانی زیب تن کیے کلاہ و دستار پہنے آتے تو مرکز ہر نگاہ ہوتے' جانے کس کی نظر کھا گئی۔ میں جوش وجذبے میں جانے کیا کیا کہتا رہا' مجھے بلا کے فرمایا' "بس یہ کہو کہ مشیت ایزدی یہی ہے ورنہ کون کسی کو تکلیف میں دیکھتا ہے!" ختم شریف شروع ہوا' پیرجی کو ہجوم سے بچانے کے لیے وہاں سے ہٹا لیا گیا۔ سب کے لبوں پر حرف دعا بس یہی تھا کہ' پیرجی کی عمر دراز ہو۔ ختم شریف کے بعد میں نے اجازت چاہی' پیرجی کو چوما' مجھے چوم کے فرمانے لگے' "تم کو وقفے کی عادت ہو گئی ہو گی' میں سال بھر لندن رہا ہوں۔" میں کراچی چلا آیا۔ ہفتے کا دن گزرا۔ ۲۴ سال ہو گئے ہیں' شب بیدار رہتا ہوں۔ اتوار کی صبح فجر ادا کی' ابھی دعا سے فارغ ہی ہوا تھا کہ بھائی حامد ربانی نے میرے کمرے میں آ کر مجھے سنایا "پیرجی رخصت ہو گئے۔"

آنکھیں بہہ نکلیں' دماغ ماؤف ہو گیا' مجھے اپنی سماعت پر شبہ ہو رہا تھا۔ فون آتے رہے۔ چوہدری محمد شریف' عبدالغفار میمن' شیخ محمد نعیم' ظفر علی' صاحب زادہ فضل الرحمٰن' حضرت مولانا غلام علی صاحب قبلہ' سبھی ایک خبر دے رہے تھے۔ باباجی قبلہ کا فون بھی آگیا۔ پہلی پرواز سے لاہور روانہ ہو گیا۔ محترم سید نسیم احمد صاحب سابق صدر نیشنل بینک پاکستان نے میرے لیے لاہور میں سواری کا انتظام کر دیا تھا۔ وہ بھی دو دن پہلے پیر جی کو عرس شریف کی مجلس میں دیکھ گئے تھے۔ انہیں بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ حضرت کرماں والا پہنچا۔ ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے۔ حضرت شیخ القرآن نے اپنی نگرانی میں غسل دلوایا تھا۔ عصر کی نماز ادا ہوئی اور اس شہزادے کی چارپائی آگئی۔ ہزاروں شریک جنازہ تھے۔ دو گھنٹے تک دیدار ہوتا رہا۔ مجھے آخری بوسہ لینے کی سعادت مل گئی' عکس نعل رسول ﷺ اور کچھ تبرکات شامل کفن کر دیے۔ حضرت میاں غلام احمد شرق پوری' پیر سید خلیل الرحمٰن چشتی اور لطف اللہ نے صندوق میں اتار دیا۔ باباجی قبلہ کے سامنے قبر تیار ہوئی۔ ہر کوئی رو رہا تھا۔ میری ہچکیاں بندھ گئیں۔ میں بلکتا رہا۔ باباجی کا حوصلہ و صبر تھا کہ جوان بیٹے کا جنازہ پڑھایا اور خود دفنایا۔ حضرت مولانا غلام علی' پیر سید جمیل الرحمٰن' پیر شوکت' پیر سید صمصام' پیر سید منیر احمد شاہ' پیر سید میر طیب' حاجی رفیق' حاجی محمد سلیم' قاضی اسلم علی' مولانا مقصود احمد' مولانا عبدالتواب اچھروی' قاری صغیر' جاوید چاند' حاجی محمد اعظم' چوہدری محمد شریف' ملک تنویر' سید اشفاق' پیر جی کے ماموں سید ریاض شاہ اور پیر جی کے خالو سید ممتاز شاہ سب ہی پیر جی کے اوجھل ہونے کا جاں گداز منظر دیکھ رہے تھے' آنسوؤں کے موتی ہر چہرے پر چمک رہے تھے۔ قبر شریف تیار ہو گئی۔ پیر جی کی لحد کی ہر اینٹ پر سورہ فاتحہ پڑھی گئی تھی۔ میں نے پیر جی کے سرہانے اذان کہی' آیات قرآنی پڑھی گئیں اور باباجی قبلہ نے دعا فرمائی' **رضینا بقضاء اللہ**۔ اگلی صبح قل شریف کا اجتماع تھا۔ حضرت میاں غلام احمد صاحب' میاں جمیل احمد صاحب' پیر باقر علی شاہ' پیر خلیل الرحمٰن' پیر منیر شاہ' پیر مشتاق شاہ' سید ممتاز حسین شاہ' مفتی محمد حبیب اللہ' مولانا غلام علی اوکاڑوی' خواجہ عبدالسلام'

مولانا اقبال انصاری' قاضی اسلم علی' حافظ محمد سلیم' پیر سید صمصام' پیر میر طیب' پیر جمیل الرحمٰن' سب بیٹھے تھے۔ چار تقریریں ہوئیں' مولانا بشیر احمد' مولانا عبدالتواب اچھروی' مفتی محمد حبیب اللہ اور مولانا غلام علی اوکاڑوی نے اپنے اپنے انداز میں پیرجی کو خراج محبت پیش کیا۔ مجھ سے کچھ بھی نہ کہا جا سکا۔ وابستگان میں ہر کسی کا کہنا تھا کہ پیرجی کا جو سلوک اس سے تھا' وہ کسی اور سے نہیں تھا۔ قاری صغیر' جاوید چاندا' سب اپنی اپنی کہہ رہے تھے۔ سال بھر سے ہر شب و روز خدمت کرنے والا لطف اللہ بھی حسرت و یاس کی تصویر بنا ہوا تھا۔ پیرجی کی کم سن بیٹی اپنے والد کی قبر سے نہیں ہٹ رہی' اسے دیکھ کے دوسروں کے کلیجے چھلنی ہوئے جا رہے ہیں۔ باباجی دوسروں کی تسکین کا سامان کر رہے ہیں' اپنے لیے مخصوص جگہ میں سے بیٹے کو قبر کی جگہ دے چکے ہیں' صبر و ثبات کا پہاڑ بنے ہوئے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ پیرجی سے کہا تھا کہ کیا میری تدفین میرے حضرت کے قدموں میں ہو سکے گی؟ "فرمانے لگے' تمہارا کیا کہوں' مجھے تو اپنی فکر ہے کہ باباجی نے میرے لیے جگہ نہیں رکھی!" اب باباجی نے ان کے لیے جگہ بنا دی تھی۔ ہر کوئی میرے کندھے پر سر رکھے بلک رہا ہے' میری آنکھوں میں جیسے ریت بھر گئی تھی' میں ہڑکتا رہا..... میں نہ ٹھہر سکا' چلا آیا۔ قلم سے میں نے ناتا اس لیے نہیں جوڑا تھا کہ مجھے پیرجی کی رحلت کی روداد لکھنی ہو گی' مجھ سے جو باتیں کرتے تھے' وہ میں نے نہیں لکھیں' میں نے جو دیکھا' وہ بھی نہیں لکھا' ان کی عادات و اطوار' ان کے اخلاق و کردار' ان کے علم و عمل کا تذکرہ نہیں ہو سکا۔ مجھے یارا ہی نہیں لکھنے کا۔ میری نگاہوں میں پیرجی کا سراپا سمایا ہوا ہے۔ میں ان کی وجاہت اور جمال میں کیا کیا نہیں دیکھ رہا۔ اب کوئی نہیں جو مجھے اپنے ہاتھ سے کھلائے' مجھ سے اتنا پیار کرے۔ پیرجی کے مجھ سے کچھ وعدے تھے۔ میں اپنے لخت لخت دل پر کتنے پتھر باندھوں کہ اس کی کراہیں اور آہیں مجھے سنائی نہ دیں۔ پیرجی کا یوں چلے جانا ہر کسی کو رلا گیا ہے' میری تو دنیا ویران ہو گئی ہے۔ میں ان سے موت شیئر (Share) نہیں کر سکا' مجھے شامی' عبدالحق' فلک شیر' حافظ حق نواز' حاجی بشیر' حافظ

سلیم، سب یاد آرہے ہیں۔ یہ تو روز صبح و شام پیرجی کے حضور میں رہتے تھے۔ بے بے جی قبلہ، پیرجی کی بہنوں کا، ان کی اہلیہ کا کیا حال ہوگا؟ پیر جمیل الرحمٰن کتنے بکھرے ہوئے ہیں۔۔۔ باباجی فرمانے لگے، "پیر کہتا تھا کہ اللہ کریم نے اسے اپنا محبوب بنالیا ہے۔" یہ محبوب حقیقی کی محبوبیت ہی کا نشہ تھا کہ پیرجی ہم سب سے روٹھ گئے، اور ۳۶ برس کی مختصر عمر میں چپکے سے یوں چلے گئے۔

کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال و الاکرام ○

خاک پائے گنج کرم

کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

پیر سید محمد جمیل الرحمٰن چشتی بتارہے تھے کہ پیرجی سرکار کی زبان پر دم آخر یہی الفاظ تھے "حضور اک نگاہ کرم۔" ان الفاظ کے اعداد جمع کیے تو ۱۴۱۳ ہوئے۔ ان الفاظ سے میں نے تاریخ وصال یوں اخذ کی ہے

"یہ کہا، حضور اک نگاہ کرم"

۱۴۱۳ ہجری

مادہ ہائے تاریخ وصال

نبیرہ حضرت گنج کرم صاحب زادہ **پیر سید غضنفر علی** شاہ صمصام بخاری علیہ رحمتہ الباری

سن وفات ۱۴۱۲ ہجری / ۱۹۹۲ عیسوی　　　سن ولادت ۱۳۷۶ ہجری / ۱۹۵۶ عیسوی

ظاہری مدت حیات : ۳۶ برس

ولادت باسعادت : طوبیٰ، گلِ باغِ رسول، ۱۳۷۶ ہجری　　ولی عہد، دل بند حضرت گنج کرم، ۱۹۵۶ عیسوی

۱۴۱۲ ہجری

محب اللہ مغفور

غریق حب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

زبدہ اولیاء غفراللہ

نیک صفت زبدہ اہل بیت رسول

مرد نیک داخل جنت

وارث دولت دارین

شکر مقال شاہ عالی قدر

پاک سیرت سحاب رحمت

تصویرِ خاندان

بلند رتبہ عالی درجات

گوہر اسرار طریقت

سیرت طیبہ انعت علیم

مرقع انوار آفتاب کرم

وسیلہ بزم کرم رفت در ماہ نبی

از ہم جدا صاحب تصویر مرشد

قدوہ اہل سخا نبیرہ گنج کرم

حسین صفت جہاں دار محبت

صاحب خطاب مہر و محبت

اشرف العباد، اشرف الناس

احسن شعار مشیر بہادر

رفتید خوبان جہاں

ایزد آگاہ، لخت گنج کرم

کریم الخلق، کوکب گنج کرم

کوکب حبیب سبحان، باعث رحمت

بے بدل تاریخ، حبیب سبحانی

بتوفیق حق صاحب جنت نصیب

شمع منور مستور

بتوفیق حق اہل جناں مشکور

۱۹۹۲ عیسوی

عاشق و معشوق، شافع محشر

فیض محمدی ثمر کرم

فخر اقطاب رفیع الدرجات

فیض محمدی فیض علی

شیخ کامل صاحب فیض

کاوش : فقیر کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

☐ جامعہ حنیفہ اشرف المدارس کے زیر اہتمام منعقدہ میلاد کانفرنس میں پیرجی کے ساتھ سابق صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کھڑے ہیں۔

صاحبزادہ پیر سید غضنفر علی شاہ صمصام بخاری رحمتہ اللہ علیہ

از : چوہدری نور احمد مقبول

آپ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ نے اپنے دادا قطب الاقطاب غوث الاغیاث قبلہ حضرت اعلیٰ پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی آغوش قطبیت میں آنکھ کھولی اور اپنے والد ماجد حضرت باباجی سید محمد علی شاہ بخاری زیب آستانہ عالیہ نقشبندیہ حضرت کرماں والا شریف کے سایہ ہمایہ میں تربیت حاصل کی۔ بچپن سے ہی آپ ذہین، متین اور فطین تھے۔ عادات و اطوار میں مطہرین میں سے تھے۔ غوث دوراں گنج کرم حضرت اعلیٰ پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحبؒ آپ سے بے حد محبت فرماتے۔ ان کے رونے سے دل گرفتہ ہو جاتے۔ حضرت گنج کرمؒ انہیں پیر جی کے نام سے یاد فرماتے۔ پیر سید غضنفر علی شاہؒ صمصام بخاری اب "پیر جی" کے نام سے مشہور ہیں۔ کتنا پیارا اور معزز ہے یہ لقب اور کیوں نہ ہو کہ محرم اسرار حقیقت، سرتاج اولیا حضرت کرماں والی سرکار کا عطا کردہ ہے۔

ایک مرتبہ جب کہ پیر جی پاؤں پاؤں چلتے تھے، حضرت اعلیٰ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت اعلیٰ نے انہیں اس تخت پوش پر بٹھا دیا جو تھوڑی دیر پہلے حافظ نذیر احمد صاحب ہڑپہ سے لائے تھے اور حضرت اعلیٰ نے اسے اپنی ذات والا صفات کے لئے بنوایا تھا یعنی اس تخت ذو بخت کو سب سے پہلے ہمارے "پیر جی" کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ پیر جی نے معا پیاس کا اظہار کیا۔ تو ایک بڑے گلاس میں حضرت اعلیٰ نے اپنے دست شفقت سے خود پانی پلایا۔ ننھے پیر جی تمام کا تمام پانی پی گئے۔ اس پر حضرت اعلیٰ نے فرمایا! "ننھے پیر کا ظرف کتنا بڑا ہے کہ اس چھوٹی عمر میں اتنا پانی پی لیا۔" بعدہ، آپ نے فرمایا "یہ ہمارا شیر ہے۔" اس ارشاد کے بعد آپ سید غضنفر علی شاہ صمصام بخاری کے نام سے یاد کیے جانے لگے۔

ابتدائی تعلیم اشرف المدارس اوکاڑا میں حاصل کرنے کے بعد آپ نے بھیرہ شریف

سرگودھا میں دینی اور دنیاوی مروجہ تعلیم حاصل کی۔ پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے اسلامیات کی سند امتیازی پوزیشن سے حاصل کی۔

آپ میں بچوں کی سی معصومیت‘ جوانوں کا سا عزم اور بوڑھوں کی سی دانائی اظہر من الشمس تھی۔ جملہ امور کے انصرام کی بہترین صلاحیتیں‘ مشکلات پر قابو پانے والی ہمتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی ضرب المثل تھی۔ آپ کا ناخن تدبیر الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں یکتا تھا۔ صلہ رحمی آپ کا خاصہ تھا۔ آپ غریب نوازی‘ بندہ پروری اور مہمان نوازی میں بے بدل تھے۔ قدو قامت اور شجاعت میں جلیل القدر تھے۔ حسن و جمال میں مثل بدر تھے۔ باطل کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے‘ حق بات فوراً تسلیم کر لیتے۔

اتباع سنت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سلطان العارفین حضرت بایزید **بسطامیؒ** کے نقش قدم پر تھے۔ زہد و تقویٰ میں سید الطائفہ حضرت جنیدؒ بغدادی کا سا انداز رکھتے تھے۔ عبادت اور ریاضت میں آپ کے اخلاص کی مثال حضرت مبارکؒ بن دینار کے اخلاص کی سی تھی۔ رمضان المبارک میں ساری ساری رات عبادت اور قرآن کریم سننے میں گزار دیتے۔ اپنے مال کے حق کی حفاظت کرنے والے تھے یعنی ہر جائز جگہ پر بے دریغ خرچ فرماتے۔ نو عمری میں بزرگ مرتبت اور بلند ہمت تھے۔ نظر نہایت عمیق و دقیق اور دل نہایت رقیق و شفیق پایا تھا کہ کسی کو تکلیف میں نہ دیکھ سکتے۔ اگر معیار شریعت‘ طریقت اور حقیقت پر پرکھا جائے تو پورے تھے۔ زبردست مجاہد تھے۔ انہوں نے بدن کو مجاہدات اور دل کو مشاہدات میں مشغول رکھا ہوا تھا۔

وہ اپنے رفیقوں اور متوسلین کے لئے شمع ہدایت تھے۔ وہ سب کے عزیز اور سب میں مقبول تھے۔ آپ کا کلام عالی اور وعظ شافی‘ آپ کی باتیں پر اثر ہوتیں۔ رسول مقبول نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مستغرق رہتے۔ جس فضا میں عشق رسولؐ کی خوشبو نہ پاتے اس میں سانس نہ لیتے اور اس ماحول سے الگ تھلگ رہتے۔ ناموس رسولؐ

پر جان قربان کرنے کے لئے ہروقت مستعد رہتے۔ آپ کی زبان پر "میرے آقا کرم" کے محبوب الفاظ جاری ساری رہتے یہاں تک کہ دم واپسیں کے وقت بھی یہی الفاظ آپ کے ورد زبان رہے۔ گویا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام میں آپ متقدمین میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ متاخرین میں سے اپنے عالی مقام وادجی گنج کرم سید محمد اسماعیل شاہ بخاری کے نقش قدم پر تھے جو ہردم فرماتے "حضور وا بڑا شان اے۔" الغرض آپ خلاصہ عارفان تھے۔ اگر عارف نہ ہوتے تو اتنی سرعت سے معروف نہ ہوتے۔ آپ متوسلین کو محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ "یہی فلاح کا راستہ ہے۔"

پیرجی، ماں باپ کی اطاعت شعاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ آقائے نامدار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالیہ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے" پر یقین محکم تھا۔ سن شعور سے لے کر دم واپسیں تک اپنی امی جان کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ اپنے عالی مرتبت والد مکرم حضرت باباجی کے حکم سے سرمو انحراف نہ کیا۔ بلکہ ان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر کے ان کے دل کو سرور بخشا۔ آپ کے دل میں والدین شریفین کے لئے بے پناہ محبت تھی، اسی طرح آپ کے والدین شریفین بھی آپ سے بے پناہ محبت اور شفقت فرماتے۔

آپ نے کئی بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور در مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی۔ آپ فرماتے کہ "حج بیت اللہ تو ایک وسیلہ ہے۔ اصل مقصد تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کے مواجہہ شریف میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنا ہے۔"

پیرجی نے حضرت گنج کرم کے مزار شریف اور مسجد شریف کی تعمیر میں خصوصی دلچسپی لے کر قلیل مدت میں یہ دو عظیم کام پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ گو کہ آپ کسی دنیوی اسکول، کالج سے فن تعمیرات کے سند یافتہ نہ تھے، لیکن مسجد اور مزار کی تعمیر سے آپ کی خداداد صلاحیتیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ آپ کے جمعہ اور عیدین کے خطبات سننے کے

لیے عقیدت مند دور دور سے آتے اور آپ کے نورانی خطاب سے محظوظ ہوتے۔ عرس کے موقع پر آپ خورد و نوش کا بہترین انتظام فرماتے کہ حاضرین کو لنگر حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آتی۔ آپ اپنے والد محترم کے بہترین اور قابل قدر مشیر تھے۔

وہ کیا تھے یہ ہم نہ پا سکے اور نہ سمجھ سکے' دو سال لگاتار مرض مہلک نے ان کا پیچھا کیا۔ مرد حق پرست نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ گھر سے ہزاروں میل دور رہ کر بھی دل شکستہ نہ ہوئے اور حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ آخرش موت کے ظالم پنجوں نے اس مرد آہنی کو دبوچ لیا اور پیر جی ۳۵ سال کی عمر میں ہم سب کو داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ○

متوسلین پر شفقت

ایک مرتبہ میں دربار عالیہ حضرت کرماں والا شریف حاضری کے لئے آیا۔ گرمی اپنے نقطہ عروج پر تھی۔ قبلہ حضرت باباجی اور پیر جی نے ریلوے لائن کے پار ایک ٹیوب ویل پر جانے کا ارادہ فرمایا۔ پیر جی نے مجھے بھی ساتھ لیا۔ آپ دونوں حضرات نے کپڑے اتار لیے اور چادر زیب تن فرما کر چوبچہ میں اتر گئے۔ پیر جی نے کہا چودھری صاحب آپ کے لئے وہ چادر ہے آپ بھی نہا لیں۔ تعمیل ارشاد کے لئے چوبچہ میں اتر پڑا۔ بپاس ادب میں آپ حضرات سے ذرا ہٹ کر رہتا مگر پیر جی نے مجھے دبوچ لیا اور اپنے جسم پاک سے لگا کر خوب بھینچا' پھر چھوڑ دیا۔ آپ نے پھر پکڑا اور باباجی کے جسم اطہر سے لگا دیا۔ باباجی نے بھی شفقت فرماتے ہوئے مجھے گلے سے لگالیا۔ اللہ اکبر! کس قدر غریب نواز تھے پیر جی کہ اس گناہ گار کی آتش دوزخ سے آزادی کا سامان فراہم کر دیا۔ اس خوش بختی پر جتنا فخر کروں کم ہے۔

۲۔ کتاب خزینہ کرم کی ترتیب میں آپ میری راہ نمائی فرماتے۔ عوام الناس کی نماز سے بے رغبتی کی بیان میں آپ نے خزینہ کرم کے ص ۶۸۶ پر جب یہ شعر پڑھا۔

اب نظر آتی نہیں ہے مسجدوں کے فرش
قوم نے اتنی ترقی کی کہ پہنچی عرش پر

تو مجھے بے اختیار شاباش دی اور بے حد مسرور ہوئے۔

۳۔ آپ کے بغرض علاج لندن تشریف لے جانے سے چند ماہ قبل میں حاضر خدمت ہوا۔ وضو خانہ کے قریب کھڑا تھا کہ آستانہ عالیہ سے باہر تشریف لائے، مجھے دیکھ کر بلایا۔ فرمایا! "میں لاہور جا رہا ہوں، آپ میرے ہم سفر ہوں گے۔" (میں اس دم لاہور جانے کے متعلق ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ یقیناً پیر جی نے اپنے نور بصیرت سے معلوم کر لیا تھا) دوران سفر آپ نے میری سماعت کی کمزوری محسوس کی۔ آپ نے ہدایات فرمائیں۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ خزینہ کرم کی دوسری جلد کب تیار ہوگی۔ میں نے عرض کیا ابھی تک واقعات صرف اتنے جمع ہوئے ہیں کہ ۱۰۰ اوراق تیار ہو سکے ہیں۔ آپ نے فرمایا دوسری جلد بھی پہلی جلد کی طرح ضخیم ہونی چاہئے۔ میں نے عرض کیا کہ بیلی حضرات واقعات قلم بند کر کے ارسال نہیں کرتے ہیں۔ میں نے تجویز کیا کہ اگر ایک رسالہ جاری کیا جائے تو بیلی حضرات اشاعت کے لیے شوق سے واقعات ارسال کریں گے۔ اس طرح کتاب مرتب کرنے کے لیے واقعات جمع ہو جائیں گے۔ آپ نے اس تجویز سے اتفاق فرمایا۔ گفتگو کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ہم ٹھوکر نیاز بیگ پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ ظہر کا وقت ہوا چاہتا ہے، آپ یہاں ہی کار سے اتر جائیں اور نماز ظہر با جماعت ادا کر کے پھر سفر اختیار کریں۔ آپ وہاں سے گلبرگ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اللہ اکبر!!! نماز با جماعت ادا کرنے کی تلقین فرما گئے۔ چنانچہ میں نے من و عن تعمیل کی۔

پیر جی سرکار کے بارے میں ڈاکٹر عطا محمد صاحب جنھیں پیر جی اپنا فیملی ڈاکٹر فرمایا کرتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ

جود و سخا

ایک مرتبہ پیر جی نے میرے شناختی کارڈ کے کوائف دریافت فرمائے۔ میں نے تحریر

کردیے۔ اپریل ۱۹۸۹ء کے دوران میں ایک دن اندر والے کمرے میں بابا جی سرکار کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ پیرجی تشریف لائے اور فرمایا "ابا جی! عطا کو مبارک باد دیجئے۔" میں حیران تھا کہ خوشی کا کوئی موقع نہیں یہ مبارک باد کس بات کی ہے۔ میں نے عرض کیا "پیرجی! کس بات کی مبارک باد آپ فرما رہے ہیں۔" پیرجی نے فرمایا "عطا محمد! تم ہمیں حج بیت اللہ کے لیے اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔" میں نے عرض کیا "حضور! مجھ غریب نادار انسان کو یہ شرف کہاں حاصل ہو سکتا ہے کہ آپ کو حج پر لے جاؤں۔ نہ تو میں نے درخواست دی ہے اور نہ ہی کوئی رقم جمع کرائی ہے۔ میں حج کے لیے کیسے جا سکتا ہوں۔ آپ مجھ سے ہنسی مذاق نہ کریں۔" اس پر پیرجی نے فرمایا۔ "ڈاکٹر صاحب! مذاق نہیں... یہ حقیقت ہے کہ آپ حج کے لیے جا رہے ہیں۔ دیکھیے یہ کاغذات مکمل میرے پاس موجود ہیں۔" آپ نے اپنی جیب سے کاغذات نکالے اور مجھے دکھائے۔ چنانچہ ۱۹۸۹ء میں مجھے پیرجی کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ پیرجی کی ازحد شفقت تھی کہ خود ہی میرے مصارف حج برداشت کیے اور اپنی ہمراہی کا شرف بھی بخشا۔ اس سے بڑھ کر جود و سخا کی زندہ مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ کتنے غریب پرور تھے میرے پیرجی اور بحرِ بیکراں کی طرح آپ کا دستِ جود و سخا جوش میں رہتا تھا۔

سادگی و انکساری

سرور نامی ایک مزدور حضرت کرماں والا میں رہائش پذیر ہے۔ ایک دن اس نے پیرجی کی خدمت میں عرض کیا "پیرجی! میرے ہاں اولاد نہیں۔ دعا فرمائیں، رب کریم مجھے لڑکا مرحمت فرمائے۔" پیرجی نے دعائے خیر دی۔ جب لڑکا تولد ہوا تو سرور نے بعد نماز جمعہ مجھے بتایا کہ میں پیرجی کو گھر لے جانا چاہتا ہوں تاکہ لڑکے کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ میں نے پیرجی سے سرور کی خواہش کا ذکر کیا۔ پیرجی نے فرمایا "ڈاکٹر صاحب! آپ یہیں ٹھہریں، میں ابھی آیا۔" سرور پیرجی کا فرمان سن کر فوراً گھر چلا گیا تاکہ چائے وغیرہ کا انتظام کرے۔ پیرجی گھر تشریف لے گئے اور جلد ہی واپس چلے آئے اور مجھے ساتھ لے کر سرور

کے گھر پہنچے۔ پیر جی کو اپنے گھر میں دیکھ کر سرور اور اس کی بیوی ازحد خوش ہوئے اور چائے مٹھائی پیش کی۔ آپ نے فرمایا! "مجھے بھوک ہے۔ آپ ایک باسی روٹی اور مسالہ گھوٹنے والی کونڈی لے آئیں۔" سرور نے بہت کہا کہ ہم تازہ روٹی تیار کرتے ہیں اور جو سالن موجود ہے ہم پیش خدمت کرتے ہیں' مگر آپ نے اپنا اصرار جاری رکھا۔ چنانچہ سرور باسی روٹی اور کونڈی لے آیا۔ آپ نے نصف روٹی نمک مرچ سے تناول فرمائی۔ بچے کے ہاتھ پر تین چار سرخ رنگ کے نوٹ رکھ دیے' دعائے خیر فرمائی اور واپس چلے آئے۔ مجھے فرمایا کہ! "اگر میں زیادہ دیر کرتا تو سرور بے چارہ چائے مٹھائی کے اہتمام پر زیادہ خرچ کر کے خوامخواہ زیر بار ہوتا' اچھا ہوا میں جلدی پہنچ گیا۔" اللہ اکبر! کتنا خیال فرماتے تھے غریب انسانوں کا اور کتنی انکساری سے اس مزدور پر توجہ فرمائی۔ پیر جی نے اپنے آقا و مولا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت زندہ کردی کہ آپ روٹی کے سوکھے ٹکڑے پانی میں بھگو کر تناول فرمایا کرتے تھے۔

اہل قبور کے لیے دعا

ایک مرتبہ پیر جی مجھے ساتھ لے کر بذریعہ کار اوکاڑا سول اسپتال میں ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر اوکاڑا کے بڑے قبرستان کے نزدیک سے گزر ہوا۔ آپ نے کار روک لی اور اہل قبور کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ دعا کے بعد مجھے فرمایا "عطا محمد! اگر میری دعا سے رب کریم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ان اہل قبور کو بخش دے تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ حضور نبی پاک صاحب لولاک کے امتیوں کا ہی فائدہ ہے۔ اس سے نبی پاک یقیناً خوش ہوں گے۔ مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا اور خوشنودی کی ہردم طلب رہتی ہے۔"

پیر جی کی کرامت

میری بیوی کو سر درد کی شکایت اکثر رہا کرتی تھی' بینائی بھی کمزور ہوتی جارہی تھی۔ ڈاکٹر کے مشورہ پر بیوی نے عینک لگوالی۔ اس دوران پیر جی عمرہ کی سعادت کے بعد گھر

واپس آئے تو میں اور میری بیوی آپ کے ہاں مبارک باد کے لیے حاضر ہوئے۔ پیر جی نے میری بیوی کو عینک لگائے ہوئے پایا تو فرمایا "یہ عینک کیوں لگائی ہے؟" میں نے عرض کیا "سرکار! بینائی کمزور ہو رہی تھی اور سر بھی چکراتا تھا۔" آپ نے اپنے دست شفقت سے عینک اتار دی۔ فرمایا! "اب یہ عینک بالکل استعمال نہ کی جائے۔ کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ نہ سردرد اور نہ ہی نظر کمزور ہوگی۔" آپ کے اس فرمان کی برکت سے میری بیوی کی بینائی بھی ٹھیک ہو گئی اور سردرد کی بھی کبھی شکایت نہیں ہوئی۔ اللہ اکبر۔

تیری زباں سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
دن کو کہہ دیا رات تو رات ہو کے رہی

وسعت علمی

ایک مرتبہ لاہور کے دو بڑے ڈاکٹر دربار عالیہ حضرت کرماں والا شریف حاضری کے لئے آئے۔ قبلہ پیر جی نے ان کے لئے کھانا منگوالیا اور خود سنت طریقہ سے بیٹھ کر دستر خوان پر کھانا چن دیا اور ڈاکٹر صاحبان سے بھی سنت طریقہ پر عمل کے لئے فرمایا' انہوں نے تعمیل کی۔ پیر جی نے ارشاد فرمایا "ڈاکٹر جی! کیا ڈاکٹری اصول کے تحت اس طرح بیٹھنے میں کوئی فائدہ بھی ہے؟" انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پیر جی نے فرمایا کہ "دو فائدے ہیں' ایک تو انسان کھانا کم کھاتا ہے یعنی بھوک رکھ کر' جو ایک ڈاکٹری اصول بھی ہے کہ معدہ کا کچھ حصہ خالی رکھنا چاہئے تاکہ غذا جلدی ہضم ہو جائے اور دوبارہ بھوک لگے' شکم سیری غلط بات ہے۔ اس سنت طریقہ سے ازخود اس اصول پر عمل ہو جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس طریق سے کھانا کھانے والے کو appendecitus کا مرض نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر صاحبان آپ کے یہ ارشادات سن کر آپ کی وسعت علمی کے معترف ہوئے اور آئندہ اسی طریقہ پر کھانا کھانے کا پختہ عہد کیا۔ اللہ اکبر! کس قدر پرتاثیر تھی آپ کی گفتگو اور کتنی برکت ہے سنت طریقہ میں کہ ہر کوئی پیر جی کی گفتگو سے دینی و دنیوی طور پر بہرہ مند ہو جاتا۔

محمد انور شوق (اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر اوکاڑا) بیان کرتے ہیں کہ :

کشف و بصیرت

۷۰-۱۹۶۹ء کا ذکر ہے کہ بندہ دربار عالیہ کے درویشوں کے ساتھ کام کرتا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ آسمان ابر آلود تھا۔ عید الفطر کے چاند کے آثار نظر نہ آ رہے تھے۔ میں دربار شریف کی حاضری کے بعد مسجد کی طرف آ رہا تھا کہ سر راہ مجھے پیر جی مل گئے۔ میں نے عید کے چاند کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ "کل عید ہوگی۔" چنانچہ آپ کے ارشاد کے مطابق ہی ہوا۔ ریڈیو پر اعلان ہوا کہ کل عید ہوگی۔ واللہ اعلم! آپ نے کیسے وثوق سے کہہ دیا کہ کل عید ہوگی۔ یقیناً آپ نے نظر بصیرت سے معلوم کر لیا تھا کہ رمضان المبارک کی یہ شام آخری شام ہے اور صبح عید ہے۔

۲۔ میٹرک کرنے کے بعد میں دربار عالیہ حضرت کرماں والا شریف میں بطور خادم رہا کرتا تھا۔ حصول ملازمت کے لیے بابا جی سرکار کی خدمت میں عرض کرتا رہتا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ مایوسی کے عالم میں دل میں وساوس پیدا ہوئے کہ کئی سال خدمت کرتے بیت گئے مگر ملازمت نہیں ملی۔ پیر جی مال مویشی والے احاطہ میں چہل قدمی فرما رہے تھے۔ میں بھی ادھر سے گزرا۔ پیر جی نے بلند آواز سے فرمایا! "ہم کسی کو بلاتے نہیں۔ جس کی مرضی آئے، مرضی نہ آئے۔" میں نادم و پشیمان ہوا، توبہ استغفار کی، پیر جی کی قدم بوسی کی اور معذرت خواہ ہوا۔

۳۔ بابا جی سرکار نے میرے بیٹے کا نام نصر اللہ رکھا۔ میں نے پیار سے نصر اللہ سرفراز کہنا اور لکھنا شروع کر دیا۔ پیر جی سرکار نے مجھے عالم خواب میں فرمایا! "بابا جی سرکار نے تمہارے بیٹے کا نام نصر اللہ رکھا ہے۔ تم نے اس نام کے ساتھ سرفراز کیوں زائد کیا ہے؟" بندہ معذرت خواہ ہوا اور اس دن سے صرف نصر اللہ ہی کہنا شروع کر دیا۔

یقین محکم

یہ بندہ ناچیز بطور انسپکٹر علاقہ سوات میں تعینات تھا۔ رخصت پر گھر آیا تو دربار عالیہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ باباجی سرکار کو جب معلوم ہوا کہ میں سیدو شریف سوات میں تعینات ہوں تو آپ نے فرمایا! "انور! ہم مسجد کے لیے سنگ مرمر خریدنے کے لیے سوات آئیں گے۔ کیا وہاں ہمارے ٹھہرنے کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے گا؟" میں نے عرض کیا "حضور! آپ کی دعاؤں سے ہو جائے گا۔ آپ ضرور تشریف لائیں۔ مجھے خدمت کا موقع بھی میسر آئے گا۔" حافظ حق نواز نے میرا مکمل ایڈریس نوٹ فرمالیا۔ بعد ازاں میں واپسی کے لیے وضو خانہ پر گیا تو وہاں پیر جی کو پایا۔ سلام عرض کرنے کے بعد سوات سے لاہور تبادلہ کے لیے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا! "ابھی تو ہم تمہارے پاس گئے ہی نہیں تم پہلے ہی تبادلہ کی فکر میں ہو!" میں نے عرض کیا "حضور! تبادلے کب جلدی جلدی ہوتے ہیں۔" پیر جی نے فرمایا! "عجب بات ہے۔ تم نے میری دعا کو اتنا کمزور سمجھا ہے۔" اللہ اکبر۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد میرا تبادلہ سوات سے علاقہ اوکاڑا میں ہو گیا۔

ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں آپ نے فرمایا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ سابقہ دور کے بزرگ جنگلوں میں ریاضتیں' مجاہدے' چلہ کشی کرتے تھے۔ اس جدید دور میں ایسا کون کر سکتا ہے؟ نہ کوئی ولی اور نہ کوئی بزرگ۔" آپ نے ارشاد فرمایا! "بیلیو! سنو جدید دور میں ریاضتیں بھی جدید طرز کی بنادی گئی ہیں۔" جب ہم آپ کی طویل جگرپاش اور دل خراش علالت پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ احساس ہوتا کہ اس شدید بیماری میں آپ نے جس صبرو تحمل کا مظاہرہ کیا' وہ لمبی لمبی ریاضتوں اور مجاہدوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اگر ایسی مشقت کسی پہاڑ پر نازل ہوتی تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا مگر پیر جی نے صابر و شاکر مرد آہن کی طرح تمام تکالیف اٹھائیں اور حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ اللہ اکبر!!!

اوکاڑا شہر میں اہل سنت و جماعت کی مرکزی دینی درس گاہ جامعہ حنفیہ اشرف

المدارس کے جنرل سیکریٹری الحاج صوفی سردار محمد بیان کرتے ہیں کہ

مخدومی حضرت پیر جی سرکار سید غضنفر علی شاہ صاحب بہت کم سن تھے جب انہوں نے اشرف المدارس مڈل اسکول میں داخلہ لیا تھا۔ پیاری موہنی صورت تھی' نورانی سراپا تھا اور اس وقت بھی عام بچوں سے بہت مختلف تھے' اپنے بزرگوں کے وضع و طریق کے مطابق لباس اور چال ڈھال تھی' انداز ایسے معصومانہ اور طبیعت اتنی پیاری تھی کہ مجھے بہت عقیدت ہو گئی اور میں ان کا گرویدہ ہو گیا' عمر تو میری پیر جی سے بہت زیادہ تھی مگر ایک طبیب کی نادانی سے میری قدو قامت نہ بڑھ سکی تھی اور میں پستہ قد ہونے کی وجہ سے شاید پیر جی کو بھا گیا تھا کہ وہ بھی میرے دوست ہو گئے تھے۔ میں پیر جی کے ساتھ بچوں کی طرح کھیلتا' کبھی میں کہتا کہ آج میری آپ کی دوڑ ہو گی تو وہ میرے ساتھ دوڑ لگاتے' صبح کے وقت آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا سے ایک خادم بھائی شمس الدین انہیں سائیکل پر اسکول پہنچانے آتے تو پیر جی سائیکل سے میرے کندھوں پر سوار ہو جاتے اور کبھی میں خود ان کو اپنے کندھوں پر بٹھا لیتا اور دوڑ لگاتا' پیر جی بہت خوش ہوتے اور خوشی کے اظہار میں کبھی اپنی ٹوپی میرے سر پر رکھ دیتے' دوپہر کو کھانا کھاتے ہوئے اپنے ہاتھ سے مجھے تبرک دیتے' کبھی میں ان کے منہ میں روٹی کا نوالہ 'لقمہ دیتا تو وہ بے حد خوش ہوتے۔ اسکول میں وہ مجھ سے زیادہ کسی سے مانوس نہیں تھے' ہم عمر بچوں کی طرح نہیں تھے' صفائی اور پاکیزگی کا اس عمر میں بھی خیال رکھتے تھے۔ پھول سے تھے' میں انہیں اپنے کندھوں پر لیے پھرتا تھا۔

ایک روز میں آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا شریف زیارت و ملاقات کو گیا تو حضرت گنج کرم کی اقامت گاہ کے دروازے پر ہجوم تھا' میں اندر جانے لگا تو ایک خادم نے روک دیا' اندر کمرے میں حضرت قبلہ شاہ صاحب تشریف فرما تھے' میں پھر دروازے کی طرف بڑھا تو خادم نے پھر روکنا چاہا لیکن حضرت گنج کرم شاہ صاحب قبلہ کی نظر مبارک معاً دروازے کی طرف پھری' میری خوش قسمتی کہ حضرت نے مجھے دیکھ لیا۔ آپ نے خادم سے فرمایا۔

"اسے اندر آنے دو یہ مٹھن پیر کا بیلی ہے۔" میں نے قدم بوسی کی' فرمایا "چھوٹے مولوی صاحب بیٹھ جاؤ۔" آپ نے بڑی شفقت فرمائی' کچھ لمحے گزرے تھے کہ پیر جی اندر گھر سے تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر مسکرائے اور دروازے سے باہر کی طرف نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ پیر جی بہت خوش ہوئے اور مجھے امرود کھلائے اور کچھ دیر تک مجھے پاس بٹھائے رکھا۔ گاڑی کا ٹائم ہو گیا تھا میں اجازت لے کر چلا آیا۔

انہی دنوں علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی بھی کراچی سے اوکاڑا حصول تعلیم کے لئے آئے ہوئے تھے اور حضرت شیخ القرآن قبلہ مولانا غلام علی صاحب اشرفی اوکاڑوی سے تعلیم و تربیت حاصل کر رہے تھے۔ اشرف المدارس مڈل اسکول میں بھی کچھ عرصہ وہ زیر تعلیم رہے۔ حضرت اعلیٰ سرکار گنج کرم اوکاڑا میں صرف اشرف المدارس کو اہل سنت و جماعت کا صحیح ادارہ فرماتے تھے' حضرت شیخ القرآن بھی حضرت گنج کرم سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ علامہ کوکب انہی دنوں حضرت گنج کرم سے سلاسل طریقت میں وابستہ ہوئے اور حضرت کے مرید ہوئے تھے۔

پیر جی سرکار نے اوکاڑا کالج میں داخلہ لیا' کالج کے نوجوان چوہدری ذوالفقار' انجمن طلبہ اسلام کے سرگرم کارکن تھے اور پیر جی کے دوست تھے۔ چوہدری ذوالفقار نے کالج کے انتخابات میں حصہ لیا تو پیر جی سرکار نے فرمایا "صوفی جی! ہم سب نے چوہدری ذوالفقار سے تعاون کرنا ہے۔" میں ان دنوں حضرت شیخ القرآن کی جیپ کا ڈرائیور بھی تھا اور ان کی خدمت میں مشغول رہتا تھا۔ شام کے بعد پیر جی قبلہ پروگرام کے مطابق آتے۔ پیر جی' میں اور چوہدری ذوالفقار اور چند ساتھی کالج کے طلبہ سے ملاقات کرتے اور مسلک حق اہل سنت و جماعت کی خدمت کے لئے طلبہ کو آمادہ کرتے' اکثر رات کے دو بج جاتے' پیر جی نہایت عمدہ پیرائے میں گفتگو کرتے اور ان کے بیان کی شیرینی ہر کسی کو متاثر کرتی۔ پیر جی کے ہم نشیں سب ہی پیر جی کے مداح تھے۔ کھانے کا مرحلہ آتا تو پیر جی ساتھیوں کو پہلے کھلاتے۔ پھل کاٹتے تو اپنے ہاتھ سے مجھے کھلاتے۔ مجھے آپ کی شفقت کی ایسی ہی کتنی

باتیں یاد آرہی ہیں۔

نومبر 1973ء میں میری شادی طے ہوگئی تو پیرجی بہت خوش ہوئے میں نے دعوت نامہ دیا تو پیرجی نے فرمایا "صوفی جی! آپ کو دلہا بن کے میری کار میں بیٹھنا ہوگا۔" میں نے اسے اپنے لیے سعادت جانا۔ وقت کی پابندی کے ساتھ پیرجی تشریف لائے اور مجھے اپنے ساتھ کار میں بٹھا کر مجاہد اہل سنت حضرت مولانا محمد علم الدین فرید کوٹی علیہ الرحمہ کے گھر لے گئے۔ نکاح کے بعد طعام سے فارغ ہو کر کچھ ساتھی چلے گئے لیکن قبلہ پیرجی میرے ساتھ رہے اور رخصتی کے بعد مجھے میری اہلیہ سمیت میرے گھر پہنچا کے تشریف لے گئے اور اگلے روز دعوت ولیمہ میں بھی تشریف لائے۔ میں نے معانقہ کیا اور کہا کہ پیرجی! جب آپ چھوٹے تھے میں آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیتا تھا' دوڑ لگاتا تھا' اب ماشاء اللہ آپ مجھ سے کہیں زیادہ بلند قامت اور تنومند ہیں' مجھ سے ہلائے نہیں جاتے تو آپ مسکرائے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے زور سے دباتے رہے۔

وہ مرحلہ بھی آیا کہ پیرجی قبلہ کی شادی طے ہوئی۔ محترم کوکب نورانی نے نہایت خوش نما کارڈ چھاپ کر بھیجے تھے' پیرجی نے کارڈ تقسیم فرمائے۔ میں نے عرض کی حضور! اس خادم کے لیے کوئی کارڈ باقی رہا یا نہیں؟ پیرجی نے فرمایا "صوفی جی! آپ ان میں سے نہیں جن کو کارڈ کی ضرورت ہو' آپ نے برات کے ساتھ جانا ہے' گاڑی آپ کو لینے آئے گی۔" جس کار میں پیرجی دلہا بنے سوار تھے اس میں پیرجی کے ساتھ صرف جناب کوکب نورانی سوار تھے' مجھے یوں لگا کہ جیسے کوکب صاحب پیرجی کے شہ بالا ہیں۔ نکاح کا رجسٹر میرے پاس تھا' کوکب نورانی صاحب ہی نے پیرجی کے نکاح نامے کو پر کیا' حضرت شیخ القرآن نے نکاح پڑھایا۔ نکاح ہوتے ہی کوکب صاحب نے پیرجی کو اور پیرجی نے ان کو چھوہارا کھلایا۔ کیا روحانی شخصیات تھیں جو پیرجی کی برات میں شامل تھیں۔

پیرجی اکثر اشرف المدارس تشریف لاتے اور حضرت شیخ القرآن سے علمی گفتگو فرماتے' جامعہ کی مالی اعانت کے لئے بھی اپنے احباب کو فرماتے۔ حضرت شیخ القرآن کی

صحت و توانائی کے لئے بہت خیال فرماتے اور صاحب زادہ فضل الرحمٰن سے فرماتے کہ جامعہ کے انتظامی امور وہ اپنے ذمہ لیں اور حضرت شیخ القرآن کو ہر طرح آرام پہنچائیں۔ حضرت شیخ القرآن سے پیرجی کو حد درجہ عقیدت تھی اور حضرت شیخ القرآن بھی اپنے اس لائق شاگرد سے بہت محبت فرماتے۔ حضرت شیخ القرآن کی طبیعت کچھ عرصہ ناساز رہی تو پیر جی انہیں آستانہ شریف لے گئے اور ہر طرح ان کی تیمارداری کی۔ اوکاڑا شہر میں ہونے والے دینی اجتماعات میں پیرجی شریک ہوتے۔ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کے خطابات کی محافل میں پیرجی ہی صدر نشیں ہوتے۔ پیرجی اور کوکب صاحب کے درمیان مثالی محبت تھی، دونوں ایک دوسرے کے عاشق نظر آتے تھے۔ یادیں اور باتیں بے شمار ہیں۔

پیرجی سے آخری ملاقات اتفاق ہسپتال لاہور میں ہوئی۔ میں عیادت کو گیا تو خادم سے

پروگرام

بتقریب سعید شادی خانہ آبادی سید غضنفر علی شاہ بخاری سلمہٗ

نوشہ آرائی —— منگل ۲ فروری ۱۹۸۲ء بمقام حضرت کیلیانوالہ شریف
بعد نماز مغرب

روانگی برات —— بدھ ۳ فروری ۱۹۸۲ء برائے دھوڑ شریف
۷ ½ بجے صبح

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بفضلہ تعالیٰ فرزندِ عزیز سید غضنفر علی شاہ بخاری سلمہٗ ربہٗ

کا عقدِ مسنون بدھ ۳ فروری ۱۹۸۲ء ، ۸ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ

کو طے پایا ہے۔ اس تقریب سعید میں تشریف لا کر ہماری خوشی میں شریک

ہوں اور دعائے خیر فرمائیں۔

چشم براہ

سید محمد علی شاہ بخاری و اہل خانہ

سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ ...

بصورت معذرت:

فون ۳۰۱۷ — اوکاڑہ

حضرت پیری سرکار کی شادی مبارک

کا دعوت نامہ

حافظ محمد یوسف سدیدی

کی خط میں

فرمایا کہ صوفی جی کو پھل فروٹ کھلاؤ' چائے پلاؤ' معالجین کے مشورے سے لندن جانا طے ہو گیا تھا' مجھے دعا کے لئے فرمایا' میرے ساتھ صاحبزادہ فضل الرحمٰن صاحب تھے' کچھ دیر بعد ہم چلے آئے۔ عرس شریف کی محفل میں لوگوں نے آپ کو آخری مرتبہ دیکھا۔ اتوار کی صبح خبر پہنچی کہ پیر جی سرکار وصال فرما گئے ہیں' سکتہ سا ہو گیا' یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ شیر جوان' وہ پیکر نورانی رخصت ہو گیا ہے' سب یہی کہہ رہے تھے۔ پیر جی کو رخصت کرنے کو ہر سمت سے لوگ امڈ آئے تھے۔

آخری دیدار کے تمنائی ہزاروں تھے' وہ کمرہ جس میں آپ کا جسم اطہر چارپائی پر رکھا تھا میں اس کمرے کی طرف بڑھا ہجوم نے مجھے راہ نہ دی' دروازے پر موجود خدام سب کو قطار میں آنے کی تاکید کر رہے تھے' میں ہمت کر کے آگے بڑھا' خادموں نے مجھے پیچھے دھکیلنا چاہا۔ حافظ محمد سلیم صاحب دروازے پر موجود تھے' انہوں نے مجھے دیکھ لیا' خادموں سے کہا "کسے دھکیل رہے ہو' اس کے کاندھوں پر پیر جی سوار رہا کرتے تھے' یہ پیر جی کو کھلاتا رہا ہے۔" میں پیر جی کے قریب پہنچا دیا گیا۔ آج سب ہی اپنے کاندھوں پر پیر جو کو اٹھانے جمع تھے۔ میں گھنٹہ بھر پیر جی کے قریب رہا' یہ وہی پیر جی تھے جنہیں تکتے رہنا آنکھوں کی عید ہوتی تھی' میرے اندر سے آواز آ رہی تھی کہ پیر جی سے کہوں۔

یوں نہ جاؤ خدا کے لیے
دیکھو دنیا تباہ ہوتی ہے

اظہارِ حقیقت

از شیخ الاسلام حضرت مولانا غلام علی اشرفی اوکاڑوی

آج ہم سلالہ خاندان نبوی اور زبدہ دودمانِ مرتضوی، صاحب اوصاف حمیدہ و فضائل جمیلہ مخدوم زادہ حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ و اعلیٰ اللہ درجتہ، کی تقریب چہلم میں شریک ہیں۔ حضرت موصوف کا عالم شباب میں اپنے والدین اور عزیزو اقرباء کو بالخصوص اور جملہ متوسلین و متعلقین کو اس حالت میں داغ مفارقت دے جانا نہایت قلق و اضطراب کا موجب ہے۔ عرب و عجم میں جہاں جہاں بھی مسلمانوں کو اس سانحہ جانکاہ کی اطلاع ہوئی ہے ہر طرف تاسف اور پژمردگی چھاگئی ہے۔ فقیر حال ہی میں حرمین شریفین کی حاضری سے واپس لوٹا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر بہت سے مقامات پر فاتحہ خوانی کی گئی، بالخصوص جانشین قطب مدینہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدنی قادری رضوی اشرفی نے نہایت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حکم فرمایا کہ میری طرف سے حضرت سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں خصوصی تعزیت کا اظہار کرنا اور فاتحہ خوانی کرنا۔

حضرات محترم! قدیم الایام سے سلسلہ تقریباً اسی طرح آرہا ہے کہ بہت سے حضرات عالم اور شیخ کامل ہوتے ہیں مگر ان کی شیخوخت پر علوم ظاہری کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا شمار ائمہ دین اور علماء کرام میں کیا جاتا ہے اور بہت سے مشائخ مشیخت کے ساتھ علوم ظاہریہ میں بھی کامل ہوتے ہیں مگر ان کی مشیخت کی شہرت زیادہ ہوتی ہے، مثلاً امام عبدالوہاب الشعرانی رحمتہ اللہ علیہ میزان میں فرماتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین بالخصوص ائمہ اربعہ نہ صرف علوم ظاہری کے امام تھے بلکہ یہ حضرات اپنے اپنے وقت کے قطب الارشاد تھے۔ مثلاً حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا جب ایک مقلد، مالکی المذہب فوت ہوا اور اس کی قبر میں منکر نکیر نے من ربک، ماذینک الی اخرہ، سوالات شروع کیے تو سیدنا امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی روح پر فتوح قبر میں جلوہ فرما ہوئی اور نکیرین سے فرمایا "میرے اس

مرید سے ہٹ جاؤ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ مالکی ہے" (کیا ایسا شخص بھی ان سوالات کے جوابات کا محتاج ہے۔) حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں باب بنی شیبہ سے داخل ہوئے اور بیت اللہ شریف کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ آپ کی گود میں ایک بوڑھا ہے۔ جس سے آپ بچوں کی طرح محبت فرما رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں حضور سے سوال کروں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی ہجویری یہ تیرا اور مسلمانوں کا امام ابو حنیفتہ النعمان ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ بغداد شریف میں سکونت کے ایام میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر حاضری اس طرح دیتے رہے کہ فرماتے ہیں کہ مجھے جب کوئی حاجت پیش آتی تو امام اعظم ابو حنیفہ کی قبر پر حاضر ہوتا اور اس سے برکت حاصل کرتا' حاضری کے دوران اگر صبح کی نماز کا وقت ہوتا تو وہاں نماز ادا فرماتے مگر اپنے مذہب کے مطابق امام اعظم کے جوار میں نماز صبح ادا نہ کرتے (دعائے قنوت نہ پڑھتے)۔ بعض تلامذہ نے عرض کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ تنہا نماز پڑھتے پڑھاتے ہیں تو نماز صبح میں قنوت کرتے ہیں اور یہاں پر آپ نے دعاء قنوت نہیں پڑھی؟ تو امام شافعی نے جواب میں فرمایا **حیاء من صاحب ھذا القبر** صاحب قبر کے حیاء کی وجہ سے۔ اور اگر کسی کو یہ اشکال پیدا ہو کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرتا تو امام شافعی نے اپنے مسلک مختار پر عمل کیوں ترک کیا؟ تو اہل دل نے جواب میں کہا کہ جب امام شافعی نے امام اعظم کی قبر کی زیارت کی تو صاحب قبر نے ایسا تصرف فرمایا کہ شافعی اور حنفی اجتہاد ایک ہی ہو گیا۔ اسی طرح خیرات الحسان وغیرہ کتب شافعیہ میں امام اعظم کے مناقب میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کر رہا ہوتا تو اس کا غسالہ دیکھ کر آپ معلوم کر لیتے کہ یہ شخص صاحب کبیرہ یا صغیرہ ہے یا نیک ہے؟ اس لیے تین فتوے دیئے (اول) آب مستعمل نجس ہے' (دوم) پاک ہے' پاک کرنے والا نہیں (سوم) پاک ہے۔ اہل فہم و دانش حضرت امام اعظم کے علوم ظاہریہ اور تقویٰ اور فراست کا اس سے اندازہ

لگائیں۔ اب دوسرے پہلو کا بھی تھوڑا سا تذکرہ کرتا ہوں۔ حضرت جنید بغدادی، سری سقطی، معروف کرخی، شبلی سیدنا غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ عنہم اور دیگر بے شمار اولیاء اللہ، علم باطنی کے ساتھ علم ظاہری میں بھی اپنے اپنے دور میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے مگر ان کی پیری اور مشیخت، ظاہر پر غالب رہی، اس لیے مسلمان ان کا شمار اہل باطن اولیاء میں کرتے ہیں۔ اس مختصر تمہید کے بعد اس مختصر وقت میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مخدوم زادہ جان پدر روح مادر سید غضنفر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ظاہری اور باطنی علم کی دولت سے مشرف فرمایا۔ آپ بحمدہ تعالیٰ ایم اے اسلامیات بھی تھے اور دار العلوم اشرف المدارس میں ایک دفعہ دورہ حدیث اور کم از کم دو مرتبہ دورہ تفسیر میں بھی نہ صرف سرسری طور پر شریک ہوئے بلکہ نہایت تحقیق و تدقیق سے بوقت ضرورت سوال و جواب بھی ہوتے رہتے اور دوروں کی تقریریں بھی نوٹ فرمائیں، ہو سکتا ہے وہ تبرکات کہیں محفوظ ہوں گے۔ دار العلوم کے ماتحت اہل سنت کی مرکزی تنظیم المدارس کے ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کے امتحانات میں بھی شریک ہوئے۔ چنانچہ حسن اتفاق سے وہ سند، دار العلوم اشرف المدارس میں موجود تھی جس کی ناظرین کو زیارت کرائی جارہی ہے۔ یہ تقریر اس لیے پیش کی گئی ہے تاکہ قارئین و سامعین کرام کو معلوم ہو جائے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب مرحوم و مغفور اگرچہ جید عالم تھے مگر شروع سے ہی صاحب سجادہ مخدوم پیر سید محمد علی شاہ صاحب اپنے اس چہیتے اور لاڈلے بیٹے اور حضرت اعلیٰ گنج کرم مخدوم پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے اس پوتے کو لفظ "پیر" سے ہی یاد فرماتے تھے اس لئے مریدین بھی اور عام لوگ بھی آپ کو "پیر جی" کے نام سے یاد کرتے رہے۔

برادران طریقت اور اخوان شریعت! حق سبحانہ و تعالیٰ نے جو فضائل اور فواضل پیر جی کو عطا فرمائے تھے، وہ انہی کا حصہ تھے۔ وہ خوبیاں اور کمالات وہ سیرت اور اخلاق جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مشرف فرمایا تھا، ہماری قوت بیان سے باہر ہیں۔ ایسے خلیق، ملنسار، وفا

شعار، بے مثل سیرت اور صورت کے مالک، انتہائی منتظم اور منصرم تھے، لنگر کے انتظامات کے علاوہ بقدر استطاعت و ضرورت، دنیا کے ضرورت مندوں کی امداد و اعانت میں بھی کوئی کمی نہیں رکھتے تھے، ما احسن الدین والدنیا کے مصداق تھے، جس صدق و اخلاص اور محبت کا اظہار وہ اپنے اساتذہ سے کرتے تھے اس کی مثال دشوار ہے۔ محض وقتی طور پر یہ چند حروف عزیز گرامی خطیب عالم اسلام علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کے ایماء پر فی البدیہہ تحریر کیے گئے ہیں۔ آئندہ انشاء اللہ اگر کسی کو توفیق ہوئی تو پیر صاحب قبلہ کے کچھ تفصیلی حالات پیش کیے جائیں گے جس سے ناواقفوں کو ان کی شخصیت مبارکہ کا صحیح تعارف ہو گا۔ ہمارے مسلک حق کے مطابق اگرچہ صاحبزادہ صاحب بظاہر اس عالم فانی سے عالم جاودانی میں تشریف لے گئے اور ہماری ناقص آنکھ ان کو نہیں دیکھ رہی مگر زائرین حضرات یقین رکھیں کہ ہم حضرت کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

خاکپائے سادات ادنیٰ کفش بردار اہل بیت

فقیر ابو الفضل والبیان **غلام علی** غفرلہ ولوالدیہ

پرنسپل و شیخ الجامعہ دار العلوم اشرف المدارس، اوکاڑا فون نمبر ۲۹۳۶، ۴۱۳۶(۰۴۴۲)

رکھ لوو ہن کول مینوں یا کراں ہر سال حج
آواں جاواں جالیاں چماں ساہ نہ جد تک جائے ٹل

حضرت پیر جی سرکار مدینہ منورہ میں اور اس کے علاوہ بھی یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے

پیر جی سرکار کے بچپن کی یادگار تصاویر

صالح قول و فعل کا عظیم پیکر

انسان زیست کے سفر میں اپنے منصب اور دائرہ کار کے لحاظ سے بالخصوص اور روز مرّہ کے معمولات کی مناسبت سے بالعموم تادم مرگ بے شمار لوگوں سے ملتا ہے۔ جن میں دنیوی اغراض و مقاصد زیادہ کار فرما ہوتے ہیں لیکن کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہے۔ جن سے ملنا زندگی کا حاصل شمار ہوتا ہے۔ اور اگر ایسی کوئی ہستی روحانی منصب کی حامل ہو تو یقیناً آدمی کے لیے ان سے ملنا باعث صد افتخار بلکہ یوں کہیے کہ زندگی کا انمول سرمایہ ہوتا ہے۔

میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ بخاری سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا جو بعد ازاں عقیدت مندی میں ڈھلتا گیا' یہ ان کی عظمت اور عالی نسب ہونے کی بیّن دلیل تھی کہ انہوں نے مجھ جیسے ناچیز اور گنہگار شخص سے اس قدر محبت روا رکھی کہ میں نے اپنی اس پچیس چھبیس سالہ ملک کی مختلف شوگر ملز میں ملازمت کے بعد بالآخر اوکاڑا میں مستقل رہائش پزیر ہونے کا فیصلہ کیا اور ذاتی مکان تعمیر کروایا' لیکن مجھے کیا پتہ تھا کہ جس ہستی سے مستقل تعلق اور خوشہ چینی کی خواہش دل میں لیے یہاں مستقل سکونت کا منصوبہ بنایا تھا وہ ہستی اتنی جلدی شباب کے عالم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے جائے گی۔ موت برحق ہے اور مشیت ایزدی کے آگے ہم سب بے بس ہیں لیکن نہ جانے کیوں رب لم یزل نے انہیں اتنی جلدی اپنے پاس بلالیا۔ انہوں نے تو یہاں حب رسول اور دینِ مبین کے ابھی اور لاتعداد چراغ روشن کرنے تھے۔ کرماں والا شریف کو ابھی روحانی سطح پر اونچا لے جانا تھا۔

مجھے ان چند برسوں میں ان سے ملنے کا جتنا وقت مِلا ہے اس میں میں نے ان کی جو نمایاں خصوصیات اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود مشاہدہ کی ہیں وہ ان کی عشقِ رسول میں محویت' ہر ملنے والے سے گہرا قلبی لگاؤ' مستقل مزاجی اور اپنی بات پر غیر متزلزل انداز سے قائم رہنے کی صفات تھیں۔ بابا فرید شوگر مل میں جنرل مینجر کی حیثیت سے میں نے جو بھی

گزشتہ چند برسوں میں مذکورہ مل کی کرشنگ سیزن کے افتتاح کی تقریبات اور سیزن کے دوران متعلقہ تقریبات منعقد کرائیں ان میں پیر صاحبؒ نے بلا تامل ہماری دعوت پر شرکت فرمائی۔ اور یہ بات میرے، میرے رفقائے کار اور دیگر ملازمین کے لیے فخر کا باعث رہے گی۔ پچھلے کچھ سالوں سے ہم نے ملازمین کو دیگر انعامات کے علاوہ مل کی جانب سے حج پر بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا ہے اور پیر صاحبؒ نے دو مرتبہ حج کی قرعہ اندازی کی رسم اپنے دست مبارک سے سرانجام دی اور ان خوش نصیب مل ملازمین کو مبارک باد اور اپنی خصوصی دعاؤں سے نوازا۔ قرعہ اندازی کا طریق کار کچھ ایسا تھا کہ انہیں اس کے لیے گھنٹوں بیٹھنا پڑا لیکن انہوں نے لمحہ بھر کو بھی بیزاری یا تھکن کا تاثر وغیرہ محسوس نہیں کروایا۔

اوکاڑا شہر میں بھی مجھے ان کے ساتھ عید میلادالنبیؐ کے جلسوں اور دیگر تقریبات میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ میں اگر جلسہ گاہ میں کہیں دور جا بیٹھتا تو انتظامی لوگوں کو بلا کر مجھے خصوصی طور پر اپنے پاس بٹھا لیتے۔ اور یہ بات تو میں زندگی کے آخری سانس تک فراموش نہ کر سکوں گا کہ حضرت کرماں والا شریف میں عرس کے مواقع پر ہجوم کے باعث وہ اپنے کسی مرید کی خاص طور پر یہ ڈیوٹی لگاتے تھے کہ میں جب بھی آؤں وہ مجھے خواص کی قطار میں لا کر بٹھائیں۔ میں سوچتا ہوں کہ مجھ جیسے عاصی کو یہ عزت اور یہ خصوصی توجہ اس آستانہ پر اب کہاں نصیب ہوگی۔ اور اگر سعیٔ تمام کے بعد ہوئی بھی تو وہ محبت اور پیار والی نگاہیں کہاں سے لاؤں گا جو میری طرف ہوتیں تو دل کو یک گونہ مسرت اور سکون مل جایا کرتا تھا۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ انکو
یدِبیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ربِ ذوالجلال انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ان کے درجات بلند

فرمائے اور مجھے قیامت کے روز ان کی ہم نشینی نصیب کرے۔ آمین

سوگوار خاکسار

رانا محمد شریف (جنرل مینجر)

بابا فرید شوگر ملز لمیٹڈ' اوکاڑا

صوفی محمد اقبال شفیعی قادری (پشاور والے) اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ حضرت صاحب زادہ پیر سید غضنفر علی شاہ صاحب قبلہ کی وفات حسرت آیات بلاشبہ اہل سنت و جماعت کا ناقابل تلافی نقصان ہے' وہ موجودہ خانقاہوں میں ایک مثال تھے' نمونہ اسلاف تھے۔ ان کا دل نشیں انداز گفتار دل موہ لیتا تھا' جو بھی ان سے ملتا وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ میری ان سے بغداد شریف میں حضرت شاہ جیلاں' پیر پیراں' محبوب سبحانی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار پرانوار میں ملاقات ہوئی' وہیں ان کے والد گرامی حضرت بابا جی صاحب قبلہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوا۔ میں دیکھتا رہا کہ حضور غوث پاک سرکار کی بارگاہ میں وہ کیسے حاضری دے رہے تھے۔ میرے پیرزادے مولانا کوکب نورانی صاحب اوکاڑوی سے ان کا تذکرہ سنا ہوا تھا' یہ میری سعادت کہ پیر صاحب کرماں والوں کی ملاقات بھی ہوئی تو کہاں ہوئی' دربار غوثیہ بغداد شریف میں ہوئی۔ حضرت صاحب زادہ غضنفر شاہ صاحب سے ملنا اور ان سے سنی ہوئی پیاری پیاری باتیں سب دل پر نقش ہیں۔ اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے والدین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

نازِ سادات

بلند قد و قامت، کشادہ پیشانی، متشرع صورت، نورانی چہرہ، عالم شباب میں اتقاء پرہیزگاری کے پیکر، صاحب علم و فضل، بااخلاق، باکردار یہ تھے پیر سید غضنفر علی شاہ المعروف پیرجی۔ آپکی شخصیت کا ہر پہلو تابندہ نظر آتا ہے۔ پیرجی نے دینی علوم دارالعلوم اشرف المدرس اوکاڑا، جامعہ فریدیہ حنفیہ بصیرپور اور ضیاء العلوم بھیرہ سے پڑھے اور ایم اے اسلامیات لاہور یونیورسٹی سے کیا۔ اپنے دادا شہنشاہ ولایت، قطب وقت حضرت سید پیر سید محمد اسماعیل شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے عرس کی آخری نشست میں جو مقالہ پیش فرماتے وہ علم و ادب کا خزینہ ہوتا تھا، مریدین اور عقیدت مندوں کو قلبی تسکین و راحت ملتی تھی۔ اخلاق میں اتنے بلند تھے کہ ہر ملنے والے سے بڑی محبت سے پیش آتے۔ اہلِ محبت کی دعوت پر میلاد النبیؐ کے جلسوں میں شمولیت فرماتے، جلسوں کے اختتام تک تشریف رکھتے۔ نعت سنتے تو آپ پر وجد طاری ہوجاتا اور نعت خواں کو داد دے کر نعت خواں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ جمعہ کا خطبہ بھی خود ارشاد فرماتے۔ اس عالم شباب میں عبادت کا ذوق شوق رکھتے، رمضان شریف کی راتوں میں تراویح کے بعد ساری رات نوافل میں قرآن سنتے، سحری کے بعد فجر کی نماز ادا کر کے آرام فرماتے۔ بابا فرید شوگر ملز کی (سیزنل) افتتاحی تقریب محفل نعت خوانی سے شروع ہوتی تھی۔ اس میں آپ مہمان خصوصی ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ تقریب کے بعد جنرل منیجر کے دفتر میں کھانے کے بعد فارسی نعت سنانے کا حکم فرمایا تو تاج الدین تاج، محمد رمضان شکوری اور راقم الحروف محمد لطیف نقشبندی نے فارسی کلام پیش کیا تو آپ اور دیگر حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ نعت خوانوں سے مثنوی حضرت میاں محمد بخش کھڑی شریف اور ہیروارث شاہ کے تصوف و معرفت کے اشعار بھی سنتے۔ راقم الحروف محافل میں اور دربار شریف میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوتا رہتا تھا وہ حسین لمحے اور آپ کا قرب بھلایا نہیں جاسکتا۔

کیسی کیسی محفلیں تھیں کیسے کیسے لوگ تھے
وہ سنہری دور ماضی اب پلٹ سکتا نہیں
جن کی یادوں سے رگ جاں میں دُکھن ہونے لگے
ذکر چھڑ جائے تو قلب سنگ بھی رونے لگے

آہ! آپ کو کسی بدبین کی نظر بد لگ گئی۔ گزشتہ سال آپ نے رسولی کا آپریشن اتفاق ہسپتال لاہور سے کرایا اور بظاہر صحت یاب ہو گئے لیکن تقدیر اپنا وار کر گئی' ڈاکٹروں سے وہ زخم مکمل صاف نہ ہوا جو بعد میں خون میں سرایت کر گیا اور کینسر کی شکل اختیار کر گیا۔ آپ کو علاج کے لیے لندن لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی جان بچانے کی خاطر آپ کی ایک ٹانگ بھی کاٹ دی گئی۔ ایک سال زیر علاج رہنے کے بعد آپ واپس تشریف لائے' عقیدت مند پرامید تھے کہ آپ شفایاب ہو کر واپس آئے ہیں۔ ۲۸ر فروری ۱۹۹۲ء عرس کی آخری نشست میں آپ کی خواہش پر آپ کو لایا گیا' ہزاروں عقیدت مندوں نے پیر جی کی زیارت کی' آپ نے بھی ہاتھ کے اشارے سے سلام فرمایا اور پیغام دیا کہ مشیت ایزدی اسی طرح ہے' دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحت عطا فرمائے۔

یہ منظر بڑا رقت آمیز تھا۔ ہر آنکھ اشک بار تھی' لبوں سے دعائیں نکل رہی تھیں' علامہ کوکب نورانی مائیک پر گڑگڑا کر دعا مانگ رہے تھے' اللہ تعالیٰ سے پیر جی کی زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے اور اپنی عمر پیر جی کو لگ جانے کی دعا مانگ رہے تھے' آپ کو زیارت کرا کے گھر واپس لیجایا گیا' ختم شریف کے بعد زائرین اپنے اپنے گھروں کو پرامید واپس چلے گئے' کسے معلوم تھا کہ ایک دن بعد پیر جی ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔ قضا و قدر اپنا کام کر گئی۔

آہ! شہنشاہ ولایت' غوث وقت' حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا پوتا' زیب سجادہ آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا حضرت سید محمد علی شاہ کا اکلوتا لاڈلا شہزادہ پیر سید

غضنفر علی شاہ' اتوار یکم مارچ ۱۹۹۲ء کو صبح ۵ بجے عالم فنا سے عالم بقا کی طرف رخصت ہو گیا۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون) ○

ستارے ڈوبتے جاتے ہیں شمعیں بجھتی جاتی ہیں
مرتّب خود بخود نظمِ محفل ہوتا جاتا ہے

پیر جی ایک سال تک بیمار رہ کر واصل بحق ہو گئے اور اپنے دادا کے قرب میں ابدی نیند سو گئے اور اپنے اہل خانہ اور ہزاروں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ گئے۔ دوران بیماری آپ نے اور آپ کے والد محترم نے جس صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا' وہ انہی سادات کا حصہ ہے اور اہل بیت اطہار کے صبر کی یاد دلاتا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پیر جی کے اللہ تعالیٰ بطفیل اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم درجات بلند فرمائے اور حضرت باباجی پیر سید محمد علی شاہ اور پیر جی کی والدہ محترمہ اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

صوفی محمد لطیف نقش بندی اوکاڑوی جنرل سیکریٹری
جامع مسجد غوثیہ' اوکاڑا

میرے دوست پیر جی صاحب

عاشق رسول حضرت پیر سید غضنفر علی شاہ صاحب کرماں والے نور اللہ مرقد' مسلک اہلسنت کے ان عظیم رہنماؤں میں سے ایک تھے جن کی پوری زندگی عشق رسولؐ میں بسر ہوئی۔ حضرت پیر صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی شخصیت روحانی تھی۔ میں تو جب بھی ان کو ملتا' ان کے چہرہ مبارک پر نور برستا نظر آتا۔ ان کی شخصیت میں بلا کی کشش تھی۔ وہ ایک اعلیٰ پائے کے مقرر تھے۔ ان کی تقریر پر لطف ہوتی تھی۔ دل کرتا تھا سارا دن تقریر سنتے رہیں۔ ان کی تقریروں میں حکمت و دانائی اور عشق و محبت کی فراوانی ہوتی تھی۔ جب وہ کرماں والا شریف مسجد میں جمعہ کی نماز سے قبل تقریر فرماتے تو ہزاروں کے مجمع پر سناٹا چھا جاتا تھا۔ ان کی تقریر مٹھاس اور حسن بیان سے بھرپور ہوتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے پیر جی صاحب کو گھر بلایا۔ آپ نے درخواست منظور فرمائی۔ کمرے میں بیٹھ کر جب گفتگو کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے میں نے اپنے متعلق ذکر کیا کہ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں لیکن پانچ سال سے فارغ ہوں۔ کوئی روزگار میسر نہیں۔ کبھی امریکہ کا پروگرام بنتا ہوں کبھی سعودی عرب کا' لیکن کام کہیں بھی نہیں ہو رہا۔ آپ دعا فرمائیں اور مجھے کوئی کام بتائیں۔ فرمانے لگے "جو کام آپ کو اچھا لگے وہ کر لیں۔" میں نے کہا کہ جناب کیا میں بچوں کا اسکول کھول لوں؟ آپ نے اجازت دے دی۔ میں نے صدر گوگیرہ میں بچوں کے لیے ایک مڈل اسکول کھول دیا۔ اس کے بعد میں پیر جی صاحب سے ملا اور کہا کہ میرے پاس ابھی چند بچے ہیں۔ آپ دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا کی اور کہا انشاء اللہ پانچ سال کے عرصہ میں تقریباً تین سو بچہ ہو جائے گا۔ آج ان کی دعاؤں سے میرے پاس تین سو بچہ زیر تعلیم ہے۔ پچھلے سال انہوں نے میرے ساتھ اسکول آنے کا وعدہ کیا لیکن وہ علاج کے لیے لندن تشریف لے گئے۔ عرس مبارک کرماں والا شریف میں جب ۲۸ر فروری ۱۹۹۲ء کو ایک سال بعد زیارت ہوئی تو میری آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔ دل سے آواز نکلی کہ ایک سال قبل پیر صاحب کس حالت میں تھے اور آج کس حالت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعا کی'

یا اللہ میرے دوست پیر صاحب کی صحت کے ساتھ عمر دراز اور صحت عطا فرما۔ ہفتہ کے روز ۲۹ر تاریخ کو آپ کے والد ولی کامل حضرت سید محمد علی شاہ صاحب سے عصر کے وقت ملاقات ہوئی۔ اس وقت بھی آنکھوں میں آنسو تھے باباجی سے بات نہیں ہو رہی تھی۔ اگلے دن اتوار کو پیر جی صبح کے وقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ میرے پیارے دوست پیر صاحب مجھے خواب میں ملے اسکول آنے کا پروگرام بتا رہے تھے۔

محمد نواز ثانی
۸۷۔ لالہ زار کالونی، ضلع اوکاڑا
پرنسپل برائٹ اسکول صدر گوگیرہ، ضلع اوکاڑا

زیرِ نظر کتاب نبیرہ حضرت گنج کرم ناز سادات فخر اہل طریقت حضرت صاحب زادہ علامہ پیر سید غضنفر علی شاہ، صمصام بخاری قدس سرہ الباری کے چہلم کے موقع پر شائع ہوئی ہے۔

مختصر سے وقت میں چند احباب کے تاثرات و مشاہدات شامل اشاعت ہو سکے ہیں خزینہ کرم کے مولف چوہدری نور احمد مقبول صاحب لاہور سے سہ ماہی مجلہ گنج کرم شائع کر رہے ہیں۔ جو اہل محبت اپنے سینوں میں حضرت گنج کرم، ان کے شاہزادگان، پیر سید محمد علی شاہ صاحب، پیر سید عثمان علی شاہ صاحب یا پیر جی سرکار کے بارے میں یادیں محفوظ کیے ہوئے ہیں، ان سے گزارش ہے کہ وہ اہل سلسلہ تک ان یادوں کو پہنچانے کے لیے چوہدری نور احمد مقبول صاحب سے تحریری رابطہ فرمائیں۔

پتہ : مکتبہ حضرت کرماں والا، افضال روڈ، سانده، لاہور

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

جب کہا جاتا تھا کسی کے لیے کوئی صاحب "پیر صاحب" ہیں تو ذہن میں یہی تصور آتا تھا کہ سراپا' وضع قطع' لباس' چال ڈھال' گفتار و کردار' عادات و اطوار' صورت و سیرت میں نورانیت ہوگی' نیکی اور خوبی ہی کا کوئی مجسمہ ہوگا' زہد و عبادت اور محنت و ریاضت کا خوگر ہوگا' علم و دانائی اور حلم و کرم کا پیکر ہوگا۔

اب یہ تصور بھی کم کیا جاتا ہے اور "الا ماشاء اللہ" ایسے پیر صاحبان بھی کم ہی ہیں۔ حضرت پیر جی سید غضنفر علی شاہ صاحب کو نوجوانی میں اس قدر صالح' پاک باز اور متقی پایا کہ بعض بڑی عمر کے بزرگوں کو بڑے بڑے دعووں کے باوجود اس قدر نہیں پایا۔ پیرزادگان' صاحب زادگان کے پاس اپنے بزرگوں کا نام اور محنت ہوتی ہے اور اکثر وہ اسی کا صلہ و ثمر ہی کھاتے کماتے ہیں' لیکن پیر جی سرکار' ان شاہ زادوں میں سے تھے جنہوں نے محنت اور خدمت کو اپنا شعار بنایا اور اپنے بڑوں کے لئے بھی لائق فخر ثابت ہوئے۔ جب بھی جس کسی کو ان سے ملوایا' وہ متاثر ہوا اور جو کوئی ان کے قریب ہوا وہ عقیدت مند ہوگیا۔ پیر جی بلاشبہ ایسے سید زادے اور پیر زادے تھے کہ اہل طریقت میں ایک عمدہ مثال تھے۔

شدید علالت کا دورانیہ بڑا تکلیف دہ اور صبر آزما تھا' پیر جی ہی کا ظرف تھا کہ مسکراتے رہے اور راضی بہ رضا رہے۔ اللہ کریم نے انہیں بڑا رتبہ بخشا تھا اور یہ سچ ہے کہ۔

جن کے رتبے ہیں سوا' ان کو سوا مشکل ہے

پیر جی بہت جلد چلے گئے' وہ آسودہ تھے' وہ آسودہ ہوں گے۔ مشکل تو ہمیں ہے' رونا تو ہماری اپنی محرومیوں کا ہے۔ اللہ ان کے والد بزرگوار باباجی قبلہ کے صبر و ہمت میں سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمائے اور پیر جی کی روح کو ہم سے خوش رکھے۔ آمین

چوہدری محمد شریف

ایف آئی اے (کراچی)

ناقابل فراموش شخصیت

حضور سیدی مرشدی حضرت پیر غضنفر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کرماں والے ایک مثالی روحانی شخصیت تھے۔ آپ نے نوجوانی کے عالم میں زہد و تقویٰ کو اپنایا اور عشق و سلوک کی منازل طے کیں۔ آپ کا کردار مثالی تھا۔ آپ سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پابند تھے۔ زندگی کے معاملات میں سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی کوئی شخص ان کا دیدار کرتا' جذبہ ایمانی پیدا ہو جاتا۔ آپ کی وفات سے ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو کبھی پر نہ ہو سکے گا۔ عقیدت مند افسردہ اور دکھ بھرے دل لیے آنسو بہاتے نظر آتے ہیں' بالخصوص میرے تصور میں تو وہ ہر وقت رہتے ہیں۔ جب بھی کوئی ان کا ذکر چھیڑتا ہے' دل بے چین ہو جاتا ہے اور درد بڑھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جوانی کے عالم میں ہی ہم سے جدا کر دیا۔ کاش وہ زندہ رہتے اور ہم ان کا دیدار کرتے رہتے۔ میرا حضور قبلہ پیر جی سے کافی تعلق رہا ہے۔ ایک تو میں ان کے گھرانے میں انہی کے والد محترم حضرت قبلہ سیدی مرشدی پیر محمد علی شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے دست حق پر بیعت ہوں' دوسرا یہ کہ پیر جی میرے کالج فیلو تھے۔ آپ کے ساتھ میں نے کالج میں اکٹھے تعلیم حاصل کی اور اکثر و بیشتر آپ کے ساتھ سفر کرنے کے مواقع بھی حاصل ہوئے۔ یادیں تو بہت سی ہیں لیکن چند ایک باتیں عرض کرتا ہوں کیونکہ آپ کی محبت میرے لیے سرمایہ آخرت بھی ہے۔ ہماری تنظیم بزم غلامان مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تحت ہونے والی دینی محفلوں کی وہ رونق تھے۔ اشرف المدارس اوکاڑا کے تحت میلاد کانفرنس جس میں اس وقت کے صدر پاکستان جناب جنرل ضیاء الحق مہمان خصوصی تھے' قبلہ پیر جیؒ اس کانفرنس کے صدر نشیں تھے۔ اسٹیج کی تیاری کے لیے میں نے بھی کچھ تعاون کیا تو اسٹیج خوبصورت بن گیا تھا جس کی وجہ سے پیر جی مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ کانفرنس ختم ہونے کے دو دن بعد اچانک پیر جی رحمتہ اللہ علیہ مع دو احباب کے میرے مکان پر تشریف لائے جو میرے

لیے بڑی سعادت تھی۔ میں خوشی کی وجہ سے صحیح بات بھی نہ کر سکتا تھا کہ کہاں پیر جی اور کہاں میں گناہ گار۔ ایک طرف تو لوگ دیدار کے لیے ترسیں اور کہاں یہ کہ پیر جی میرے گھر خود چل کر تشریف لے آئیں' یہ چھوٹی بات نہ تھی۔ خیر پیر جی بیٹھک میں جلوہ افروز ہوئے۔ اور فرمانے لگے "رفیع رضا کانفرنس میں تم نے بہت محنت کی' ہم تمہارا شکریہ ادا کرنے آئے ہیں اور یہ مٹھائی بطور تحفہ رکھ لو۔" میں اس قابل تو نہ تھا لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل تھا کہ میرا پیر میرے گھر میں میری حوصلہ افزائی کے لیے آیا تھا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں۔ چونکہ پیر جی کا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کے بعد رات بھر قرآن مجید کی تلاوت سنتے رہتے اور یہ سلسلہ عید کی رات تک جاری رہتا تھا۔ وصال سے تقریباً دو سال پہلے کی بات ہے کہ میرے ساتھی اعتکاف سے فارغ ہوئے اور نماز عشاء کے بعد عید کی رات مسجد غوثیہ میں بیٹھے کہہ رہے تھے کہ کسی دربار شریف پر حاضری دی جائے۔ کسی نے کہیں کا ارادہ کیا اور کسی نے کہیں کا لیکن میں نے کہا کہ یارو آج کہاں والا شریف چلتے ہیں۔ سب فوراً مان گئے۔ ہم ویگن پر سوار ہوئے اور دربار شریف پہنچ گئے۔ جب صحن میں پہنچے تو دیکھا کہ پیر جی اپنے چند دوستوں کے ہمراہ تشریف فرما ہیں اور مجھے دیکھ کر فرمانے لگے "رفیع رضا تم آ گئے' میں تو ابھی شامی (آپ کا مرید خاص) سے کہہ رہا تھا کہ اوکاڑا جاؤ اور رفیع رضا پارٹی کو لے کر آؤ' نعت خوانی کریں گے" تو میرے منہ سے فوراً نکلا "پیر جی یہ تو آپ کی کرامت ہے کہ آپ نے یہاں سے ہمیں یاد فرمایا اور ہم حاضر ہو گئے۔" اسی طرح بے شمار باتیں اور یادیں آپ چھوڑ گئے ہیں' سب لکھنے کو جی چاہتا ہے لیکن اتنی ہمت نہیں ہے کہ سب قلم بند سکوں۔ اس سال جب پیر جی عرس شریف کی مجلس میں جلوہ گر ہوئے تو پیر جی کو دیکھ کر دل تڑپ اٹھا کہ یا اللہ! یہ وہی پیر جی ہیں جو ایک سال پہلے یہاں اسٹیج پر کھڑے ہو کر دیر تک دل پذیر تقریر فرما رہے تھے۔ اے اللہ! کہیں یہ دیدار' آخری دیدار ثابت نہ ہو۔ اے اللہ! ان کو صحت والی لمبی عمر عطا فرما۔ ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ آپ کے وصال کا سن کر دل پر جو گزری' اس کے لیے

میرے پاس الفاظ نہیں ہیں اور نہ ہی اتنی ہمت ہے کہ کچھ بیان کر سکوں۔ اللہ تعالیٰ پیرجی رحمتہ اللہ علیہ کے مراتب بلند فرمائے اور ان کے صدقے ہمیں بھی زہد و تقویٰ عطا فرمائے۔ آمین

محمد رفیع رضا نقشبندی قادری

جنرل سیکرٹری جماعت اہلسنت اوکاڑا

آستانہ عالیہ حضرت کرماں والا کی مسجد شریف کا ایک دل کش منظر

منقبت

بڑی عظمت دے ہین حامل غضنفر پیرجی میرے
خدا دی یاد وچ رہندے سن اکثر پیرجی میرے

نبی دے عشق وچ جنہاں گزاری زندگی ساری
خدا دے دین دے اعلیٰ مفکر پیرجی میرے

شریعت تے طریقت ، معرفت دے آپ سن منتاب
علوم قرآن دے اعلیٰ مفسر پیرجی میرے

جنہاں دے وعظ تے عشاق ناز کردے سن
او اک اعلیٰ تے بہتر سن مقرر پیرجی میرے

کھچ دیندے سی تصویر مدینہ جو قلوب اندر
او اک اعلیٰ تے بہتر سن مصور پیرجی میرے

جنہاں دے خلق حسنہ تھیں دل ساڈے متاثر نیں
خدا دے شاکر و مشکور مشکر پیرجی میرے

جدا مکھ ویکھیاں بھل جاندے نیں غم سارے
او حضرت اعلیٰ دے یارو سی مظہر پیرجی میرے

نبی دی آل دے گلشن دا اک نایاب سی او گل
جدھر جاندے ، کری جاندے معطر پیرجی میرے

کڈا خوش بخت توں قاری مداح ، آل نبی دا ایں
حسینی حسنی نیں سید مشبر پیرجی میرے

قاری محمد انور قاری
خطیب جامع مسجد بلال المعروف تکیہ والی
مین بازار ، مغل پورہ گنج ، لاہور

اندوختہ

جولائی ۸۶ء کی بات ہے ــــــ!

میں اپنی بچّی آشتی کے عارضۂ قلب کے سلسلے میں لندن گیا ہوا تھا۔ اتفاق ہے، اُنھی دنوں حضرت جی قبلہ کرماں والے بھی لندن میں مقیم تھے۔ غضنفر بھی اُن کے ساتھ تھے۔ میں نے فون کیا تو بے کل ہو گئے۔ پتہ پوچھا اور اُسی دن شام کو گھر آ گئے۔ لندن میں کچھ ایسا بے وطنی کا احساس نہیں ہوتا، پھر میں تو اپنے محسن آصف صدّیقی کے گھر ٹھیرا ہوا تھا۔ ان کی بیگم سلمٰی ٹھیٹ مشرق، لکھنؤ کی ہونے کے باوجود دلی والیوں کے انداز میں دن بھر شور مچاتی رہتی تھیں۔ ظاہر ہے، یہ بات آہستہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ ''آصف، شکیل بھائی نے اب تک چائے نہیں پی ہے۔''

سلمٰی اور آصف رَوانی سے انگریزی بولتے ہیں مگر سلمٰی کی انگریزی بھی پوٹھوہاری قسم کی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اس گھر کی کسی چیز میں انگریزیت نہیں تھی۔ دائیں بائیں دونوں پڑوسی البتہ انگریز تھے۔ اُن کے ہونے کی خبر بھی ان کے کتّوں سے ملتی تھی۔ کتّے بھونکتے نہیں تھے تو ایک خاص قسم کی باس اطراف میں منڈلاتی رہتی تھی اور گویا پڑوس میں بسنے والے نوواردوں کو مغائرت و معاندت کا احساس دلاتی رہتی تھی۔ ایسے میں اپنے یارِ طرح دار، اپنے دل دار و دل جُو غضنفر کی آمد کوئی دریچہ کُھل جانے کے مانند تھی۔ کئی مرید ہم راہ تھے۔ میں نے کہا ''یہاں آ کے تو گرفتار سا ہو گیا ہوں۔ آشتی کے آپریشن کے لئے ڈاکٹر وقت نہیں دے رہے۔ پہلی بار لندن آنا ہوا ہے، وہ بھی بڑی کس مپرسی کی حالت میں۔

ورنہ ارادے تو کچھ اور تھے' پورے ڈیڑھ سو سال کے بدلے ہیں۔ ادھر یہ آصف صدّیقی صاحب ہیں' انھیں کسی مسجد کا امام ہونا چاہیئے تھا' لگتا ہے' مسجد کے کسی حجرے میں مقیم ہوں۔ سلمٰی' نہاری پائے خوب بناتی ہیں' گھر میں ہندوستانی پاکستانی وڈیو آڈیو کیسٹ حتّیٰ کہ شیلف میں کتابیں بھی قاعدہ بغدادی ٹائپ کی ہیں۔"

خوب ہنسے اور کہا کہ میرے ساتھ چلو' جتنا اس وقت ممکن ہے' لندن گھماتے ہیں۔ میں نے اپنی "بیوہ" کو مطلع کیا اور پیر سرمست کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے لندن گھماتے رہے' اور نام تو مجھے یاد نہیں رہا' بہت دُور کسی ساحلی مقام پر لے آئے۔ وہاں جہاز لنگر انداز تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ مریدوں نے ہم دونوں کی تصویریں بنائیں اور طے ہوا کہ لندن میں جتنے دن قیام رہے گا' وہ میری خبر گیری کرتے رہیں گے۔ میں واضح کردوں کہ میرا ان کا کوئی روحانی معاملہ نہیں تھا۔ نہ میں ان کے کسی روحی و روحانی امتیاز سے مرعوب تھا' نہ انہوں نے کبھی مجھ پر اپنی خاندانی عظمت اور آستانوی مرتبت کی دھاک بٹھانے کی کوشش کی۔ پہلی ملاقات بلکہ پہلی نظر میں وہ مجھے اچھے لگے تھے۔ زندہ دل' خوش اطوار' بذلہ سنج' حوصلہ مند۔ وہ ذوق و شوق سے سب رنگ پڑھتے تھے اور اس کی عدم تواتری سے نالاں تھے۔ میں اس ناراضی کا عادی ہو چکا تھا اور عذر تراشی و بہانہ سازی کا ماہر۔ واقعہ یہ ہے کہ ان سے مل کر ایک سرخوشی اور طمانیت محسوس ہوتی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے پاس سے اُٹھنے کو جی نہ چاہے اور دوبارہ ملنے کے لئے دل ہُمکتا' ہُڑکتا ہو۔

ان کے والد محترم حضرت باباجی سے کوکب کے گھر ملاقات ہوئی تھی۔ سچّی بات یہ ہے کہ منبر و مسجد' درگاہ و آستانہ سے نسبت رکھنے والوں کا احترام اپنی جگہ مگر اپنی کچھ ایسی یاد اللہ نہیں رہی ہے۔ طبیعت ادھر آتی بھی ہے' نہیں بھی۔ عجب گومگو والی کیفیت ہے۔ بہرحال حضرت باباجی کے چہرے پر چھائے حلم و انکسار' عجز و سادگی دیکھ کے دل بہت متاثر ہوا۔ ان کے چہرے پر روشنی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی۔ کوکب نے انہیں باور کرایا کہ یہ شکیل' کراچی میں اپنا ایک ہی بیلی ہے۔ بابا نے مسکرا کے پزیرائی کی اور دعا کی۔ بہت مختصر'

سرراہے والی ملاقات تھی۔ اس دوران کتنی بار کوکب سے غضنفر کے ہاں جانے کا پروگرام بنا اور جانا نہ ہو سکا۔

اب لندن میں یہ دونوں حضرات موجود تھے۔ غضنفر کو تین چار دن بعد سعودی عرب کے لئے روانہ ہو جانا تھا' ان تین چار دنوں میں انہوں نے متعدد فون کیے۔ ایک شام کسی دعوت میں لے گئے' وہاں سے کسی اور گھر' باباجی وہیں مقیم تھے' ہال جیسے ایک کمرے میں ارادت مندوں کا حلقہ تھا' اندرونی کمرے میں سادہ شعار باباجی چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ غضنفر مجھے ان کے پاس لے گئے اور عرض کی "اپنے شکیل کی بچی کا آپریشن ہونے والا ہے' دعا فرمائیں" بابا نے بے ساختہ کہا "اللہ بھلی کرے گا' بھلی کرے گا" پھر غضنفر سے پوچھا "روٹی کھوائی' روٹی کھوائی؟" میں نے کہا "جی ہاں" چند منٹ وہاں بٹھا کے غضنفر مجھے بالائی منزل کے ایک کمرے میں لے آئے اور پھلوں اور مٹھائی سے تواضع کی۔ خوب قہقہوں کا تبادلہ ہوا۔ وہ سارا گھر لندن کا کوئی گھر معلوم ہی نہیں ہوتا تھا۔ کسی آستانے' کسی دربار کا منظر تھا' باباجی وہاں بادشاہ تھے تو غضنفر شاہ زادے' اور راقم الحروف شاہی مہمان۔ وقت کا کچھ خیال ہی نہیں رہا۔ رات ہو گئی تھی' غضنفر میاں اپنے کسی خادم کو حکم دے سکتے تھے کہ مجھے میری اقامت گاہ پہنچا آئے۔ میں نے منع بھی کیا لیکن وہ نہیں مانے۔ مرسڈیز نکلوائی۔ خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے' میں پہلو کی نشست پر۔ سڑکیں سنسان ہو چکی تھیں۔ پھر جو انہوں نے گاڑی چلائی ہے تو الا ماشاء اللہ' الامان — الحفیظ' لندن کی سڑکیں بعض مقامات پر تو بے حد تنگ ہیں' معلوم ہوتا تھا' یہ سڑکیں گلیاں' غضنفر کے اشاروں کی تابع ہیں' سمٹی جا رہی ہیں۔ پولیس سو چکی ہے یا اندھی ہو چکی ہے۔ سگنل کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ژوں ژوں' رفتار سی رفتار تھی۔ میں دبکا بیٹھا رہا' پوچھنے لگے "کیا حال ہے؟" میں نے کہا "دانا کہتے ہیں کہ سڑک پر شکست قبول کرتے ہوئے چلو" ہنسنے لگے اور اعتماد سے بولے "دیکھیے' کچھ نہیں ہوگا' انشا اللہ!"

رفتار اتنی بڑھ گئی کہ پچھلی نشست پر بیٹھے احباب' خدام نے بھی اشارۃً احتیاط کی تلقین

کی۔ غضنفر میاں نے جیسے سنا ہی نہیں۔ راستے میں کئی بار کہا "جب آپ آئے تو اپنی روانگی کا وقت ہے' ورنہ آپ کو لندن میں کوئی شکایت نہ ہوتی۔"

میں نے زیرلبی سے کہا "اندازہ ہو رہا ہے جناب"

کھل کھلا پڑے۔

گھر کے دروازے پر پہنچا کر مجھے الگ لے گئے اور رازدارانہ لہجے میں بولے "دیکھیں' کسی چیز کی ضرورت ہو تو تکلف نہ کریں" میں نے کہا "حضرت جی' پورا انتظام کر کے چلا ہوں۔ احتیاطاً کچھ زائد بھی پلّے ہے"

بولے "یہ لندن بڑا لوٹ مار مچانے والا شہر ہے" میں نے کہا "عزت آبرو بچا کے گزر جائیں گے' دیکھیے گا" دل کھول کر قہقہہ لگایا اور کہنے لگے "ٹیلے فون نمبر تو آپ کے پاس ہے' ہم چلے جائیں گے لیکن یہاں احباب سے کہہ دیا ہے' کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ جھجک نہ کریں' گاڑی کی' ڈرائیور کی اور کسی قسم کی ضرورت' تو بھی انتظام ہو جائے گا۔ ویسے ہم سب دعا کرتے رہیں گے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ پہنچ کر بھی بچی کی صحت یابی کے لئے دعاؤں کا ورد جاری رہے گا۔"

وہ گلے سے لگا کر رخصت ہو گئے۔ پھر فون پر رابطہ رہا اور ان کے لندن سے چلے جانے کے بعد یہ معاملہ بھی ختم ہو گیا۔

ان کے حادثے کی خبر سن کر دل بہت بے قرار ہوا۔ میں نے فون کرنا چاہا لیکن فون نہ ہو سکا تاہم میرے پیغام' میری دعائیں' میری تمنائیں ان تک منتقل ہوتی رہیں۔ جب بھی کراچی آتے' گھر ضرور آتے' عموماً رات گئے' دیر تک خوش گپیاں ہوتی رہتیں۔ ان کا میرا ربطِ خاطر خالص دنیوی تھا لیکن مادی نہیں۔ اس میں دنیا داری نہ تھی۔ اس میں کوئی روحی' ماورائے مادہ رو ضرور تھی کہ ان کا خیال آتے ہی دل دھڑکنے لگتا ہے' آنکھوں میں جلن ہونے لگتی ہے۔ مجھے ان سے رسم و راہ پر ایک ناز تھا اور خیال تھا کہ اب ممکن نہیں ہو رہا تو آنے والے وقت میں تو کبھی فراغت نصیب ہو گی' اور یارانے اچھی طرح نبھائیں گے۔ ہم

سوچتے ہی نہیں کہ آنے والا لمحہ تو بہت بے اعتبار ہے۔ کل تو سات تہہ خانوں کے بعد آتی ہے۔ آنے والی کل' آنے والی ساعت کا اختیار ہے کہ وہ کیسی حیرت سے دوچار کرے۔ خوشی تسلسل سے آتی ہے۔ غم ہمیشہ اچانک وارد ہوتا ہے اور سمندر زیروزبر کردیتا ہے۔

اوروں کے لئے غضنفر جو بھی ہوں' پیرو مرشد صاحب زادے' سیّدنا مولانا علاّمہ...... کوکب کی طرح میرے تو وہ یار تھے۔ ان سے یاری کا موقع کم مِلا لیکن ضرب' تقسیم پر کہاں یہ سلسلے چلتے ہیں' درون خانہ معاملات سے ماہ و سال کی گنتی کا کیا تعلق ہے۔ چند لمحے پتھر پر ثبت ہوجاتے ہیں' چند لمحے سینے پر نقش ہوجاتے ہیں اور عمر بھر کے لئے آئینہ ہوجاتے ہیں' بس آئینہ دیکھتے رہیئے اور خود کو نوچتے کھسوٹتے رہیئے

رونے والے روتے رہیں گے' جانے والے جاتے رہیں گے' رونے والے بھی ایک دن گزر جائیں گے۔ اسی طرح سب کو قرار آجاتا ہے۔ گھڑی چلتی رہتی ہے۔ کاش آدمی کو اپنے حصّے کے شب و روز شمار کرنے کی استطاعت ہوتی تو غضنفر جیسے دِل بروں کو اُن کے طلب گار' ان کے مدّعی' ان کے عاشق کبھی جانے نہیں دیتے۔ **وما علینا الا البلاغ**

شکیل عادل زادہ عفی عنہ

مزید ---- کوکب! یہ سارا کچھ قلم برداشتہ ہے۔ غضنفر مرحوم پر دوسری تفصیلی تحریر انشاء اللہ آئندہ' بہ شرط زندگی۔ شکیل

پیر جی سرکار اپنے والد گرامی
حضرت بابا جی قبلہ کے ہمراہ

لندن کے ہسپتال میں
پیر جی ٹیلی فون سن رہے ہیں

گفتنی ناگفتنی

میرے بیٹے نے جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب (ڈھائی بجے) ۲۴ر رجب ۱۳۷۶ھ بمطابق ۲۸ر فروری ۱۹۵۶ء عیسوی اپنے ننھیال (ملٹری فارم 'اوکاڑا) میں آنکھ کھولی' دل نے اس کا نام "مٹھن" تجویز کیا' اس کی طبیعت اور ادائیں دل موہ لینے والی ہی تھیں' شیریں تھیں۔ اس کے دادا جان حضرت صاحب (سرکار گنج کرم) ہی کی آغوش کرم میں اس کی تربیت ہوئی۔ اوکاڑا' بھیرپور' بھیرہ اور لاہور میں متداول دینی و دنیوی علوم حاصل کیے۔ اسے محنت و ریاضت کا خوگر بنایا گیا تھا اور یہی اس کا مزاج بھی تھا۔ علمی طلب کے عرصے میں وہ گھر سے دور طلبہ کی طرح بسر کرتا رہا۔ پیرزادوں کی سی آسائشیں اسے نہیں دی گئیں۔ ماں کو اولاد کے لئے ضبط و ایثار ہی کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے' اولاد کی لیاقت کے پس پردہ بہت کچھ ہوتا ہے۔ اس کے داد جان حضرت گنج کرم تھے' مٹھن چھوٹا سا تھا کہ وہ رخصت ہو گئے۔ ان کے وصال کا سانحہ' غیر معمولی تھا۔ بابا جی کے بھی کم امتحان نہیں ہوئے۔

۱۹۶۵ء میں تینوں بچوں کے ہم راہ بابا جی کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر پہلی مرتبہ کیا۔ مٹھن کی عمر چھوٹی تھی' اسے بیت اللہ شریف کے اندر جانے کی سعادت بھی ملی اور مدینہ منورہ میں اغورت میں سے ایک کو مٹھن میں جانے کیا نظر آیا کہ حرم نبویؐ کے اندرونی خاص دروازے کی چابی بھی مٹھن کے چہرے سے مس ہوئی اور حجرۂ نبویؐ کی خاکِ مقدس بھی اسے عطا ہوئی۔ مٹھن کو اپنے بزرگوں کے باطنی ورثے کے ساتھ ساتھ ظاہری جمال اور وجاہت بھی خوب ملی تھی' مٹھن ایم اے کا امتحان دے کر گھر آ گیا تھا۔ بڑے ارمانوں سے مٹھن کا بیاہ رچایا' فروری ہی کا مہینہ تھا۔ لاہور میں حضرت داتا صاحب' شرق پور میں حضرت میاں صاحب و حضرت ثانی صاحب کو سلام کرنے گئے اور پھر مٹھن نے مدینہ منورہ' اپنی اہلیہ کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دی۔ مرضی مولیٰ یہی

تھی کہ مٹھن کو پانچ بیٹیاں ملیں۔

مٹھن کو ہر ایک کا خیال رہتا' گھر کے اندر اور باہر ہر ایک کا' دربار شریف کے خدام اور وابستگان کا' زائرین کا' تعمیر و تصیب کا۔ ہر وقت سلیقے اور ترتیب کی اسے جستجو رہتی تھی۔ سالانہ عرس شریف کی تقاریب کے لئے خوب سے خوب تر انتظام کی دھن رہتی۔ اپنے مقالہ کے لیے بہت محنت کرتا۔ ختم شریف ہی کی ایک محفل ہوتی جس میں وہ اہتمام سے شریک ہوتا۔ محفل میں جانے سے پہلے مجھ سے دعاؤں اور پیار کی تمنا لیے وہ میرا متلاشی ہوتا۔

اس کے دوست کہتے تھے' سب کو اس قدر چاہت دی کہ ان میں کا ہر ایک یہی سمجھتا رہا کہ مٹھن صرف اسی کا دوست ہے۔ وہ کتنا گہرا تھا شاید کوئی نہ جان سکا' ہر کسی کا دم ساز و دل دار تھا' اس کی ذہانت و ذکاوت خداداد تھی۔ شریعت و سنت کی پاس داری اس کی عادت ہوگئی تھی۔ مدینہ منورہ کی حاضری اس کا شوق تھا اور عشق رسول ؐ اس کا سرمایہ تھا

میں تو کہتی ہوں اسے کسی کی نظر کھا گئی۔ پہلا آپریشن ہوا' طبیعت نہ سنبھلی' لندن لے جایا گیا' ٹیلی فون ہی سے رابطہ تھا' میری جھولی میں ایک ہی لعل' میرا مٹھن ہی تھا۔ لندن سے مدینہ منورہ ہو کر وہ گھر واپس آیا۔ عیادت کے لئے آنے والوں کی وہ تسکین کیا کرتا اور مسکراتا رہتا۔ عرس شریف میں شرکت کے بعد وہ پھر لندن چلا گیا۔ کیا کیا نہیں ہوا' کیا کیا نہیں سننا پڑا! مجھے دعا کے سوا کسی بات' کسی کام کا ہوش ہی نہ تھا۔ جب بھی لندن سے فون آتا وہ مجھے تسلی دیا کرتا۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے وہ اپنی تمام تر توانائی اور بشاشت ہی ظاہر کرتا۔ چار دہائیوں سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے' میں نے چار دیواری ہی میں بسر کی ہے' میں مٹھن کے کہے کو سچ سمجھتی رہی اور یہی امید کرتی رہی کہ ہر رات کے بعد سویرا آتا ہے' میرے مٹھن کی بھی آزمائش کا دور اب ختم ہو جائے گا اور وہ پھر پہلے کی طرح ہمارے درمیان اپنی زیست' شادمانی سے بسر کرے گا۔ فروری ۱۹۹۲ء کا مہینہ شروع ہوا' مٹھن نے کہا وہ آ رہا ہے۔ وہ اپنے دادا جان کے عرس شریف میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ میں نے گھر میں

سب ہی کو کہہ دیا کہ مٹھن کا شان دار استقبال کیا جائے گا' ۱۳ فروری کی صبح ہے انتظار کی گھنائیاں' سہ پہر تک پھیل گئیں' سال بھر کے بعد بیٹا گھر آیا مگر وہ پہیے والی کرسی پر تھا' اس کی ایک ٹانگ گھٹنے تلک جسم سے جدا کردی گئی تھی۔ میں نے ہی سب کو مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرنے کی تاکید کی تھی' مجھے خود ہی اس کا یارانہ رہا تھا۔ یہاں اور بھی تھے جو اس کی راہ دیکھ رہے تھے' انہیں بھی اپنے پیرجی کو دیکھنے کا انتظار تھا۔ مٹھن کیسے ہی کرب میں ہوتا وہ تحمل اور ضبط کا پہاڑ ثابت ہوتا۔ میری بہنیں اپنے چہیتے بھانجے کے احوال پر ضبط کھو بیٹھیں۔ مٹھن مجھے دلاسا دیتا رہا تھا۔ میں نے مٹھن سے شکوہ نہیں کیا کہ اس نے اپنی ماں سے ضبط کی اتنی بہت توقع کیوں کر رکھی تھی۔ میری بہنوں کو مٹھن کی نمائشی بشاشت کی تہہ میں آہیں اور چیخیں محسوس ہوگئی تھیں۔ وہ لندن سے مٹھن کے ساتھ آنے والی میڈیکل رپورٹ حاصل کرنے میں کام یاب ہوگئیں۔ مٹھن کے ساتھ آنے والا لطف اللہ' وہ نوخیز نوجوان جس نے سال بھر میرے مٹھن کی تیمارداری میں وقت گزارا تھا' انہوں نے اسے سچ سچ بتادینے پر مجبور کردیا۔ میں نے دیکھا کہ میری بہنیں دیدہ تر لئے رہتی ہیں۔ میں نے بھی جاننا چاہا مگر ممتا کو کسی نے آزمانا گوارا نہ کیا۔ مٹھن نے بھی ضبط کی آخری حدوں کو پہنچنا طے کرلیا تھا۔ ایک روز اس نے غسل کرلیا۔ دنیا زیر و زبر ہوگئی۔ ایمبولینس' ڈاکٹر' احباب' ایک شور تھا۔ دو دن ہسپتال میں گزرے تو کچھ افاقہ ہوا۔ مجھ سے کسی نے نہ کہا کہ لندن سے ڈاکٹروں نے مایوس کر کے مٹھن کو بھیجا ہے۔ وہ تو عرس شریف میں شرکت کی تمنا ظاہر کر کے آیا تھا۔ وہ تو کہتا تھا "امی جان! میں یہاں لندن میں اکیلا اداس ہوگیا ہوں۔ آپ کے قدموں میں آنا چاہتا ہوں' ڈاکٹروں نے کہا ہے کہ اپنوں میں رہ کر میں جلد صحت یاب ہوجاؤں گا۔" ایک روز مٹھن کی بہنیں' باباجی اور میں سب ہی مٹھن کے ارد گرد جمع تھے۔ مٹھن نے میرے قدم اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنے قریب کرلئے اور بے ساختہ چوم لئے' اپنے چہرے اور بدن پر پھیرے' میں اسے روک نہ سکی' وہ کہتا رہا! "امی جان! میری جنت آپ ہیں' آپ کے قدموں میں میری جنت ہے۔"

اس کی دل سوز آواز میں کیا نہیں تھا' وہ تڑپنے لگا' وہ جان مادر کہہ رہا تھا۔ "بابا جی' ابا جان! آپ کہاں والے ہو' مجھے ایک بھائی اور لا دو..... آپ میرے لئے دعا کرو......!" وہ جانے کیا کیا کہتا رہا۔ میں پھر بھی نہ سمجھی۔ کوئی ماں کب یہ سوچا کرتی ہے کہ اس کا جوان بیٹا رخصت ہو جائے گا۔ اگلے روز مٹھن نے مجھ سے کہا' میں اسے اس کے کمرے سے باہر اپنے حصے میں لے چلوں' بمشکل میں اسے لے آئی۔ کرسی سے چارپائی پر منتقل کرنا مجھے دشوار ہو رہا تھا۔ بہو کو بلایا' اس نے میری مدد کی۔ مٹھن کو تکلیف ہوتی تو وہ آہ' ہائے نہ کرتا۔ اس کی زبان پر یہی ہوتا "حضور' آقا' نگاہ کرم' مجھ عاصی پر نگاہ کرم کر دیجئے۔" ایک روز شدید تکلیف میں وہ بکھر سا گیا۔ کہنے لگا "یا رسول اللہ' میرے آقا آپ نے..... کو معاف کر دیا ہے..... مجھے بھی معاف کر دیجئے۔" ایک روز اس نے اپنے کمرے میں نعت خوانوں سے نعتیں سنیں' ذکر رسولؐ سے اسے بہت تسکین ہوئی۔ وہ محفل بھی کیا خوب تھی' مٹھن گویا مدینے پہنچا ہوا تھا۔

عرس شریف کے دن آگئے۔ اندر باہر ہجوم ہو گیا۔ ڈاکٹر آتے رہتے اور دوائیں بدلتے رہتے۔ لطف اللہ اور ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ مشقت کا کوئی کام مٹھن سے نہ لیا جائے' محفل میں جانا دشوار ہو گا۔ ادھر مٹھن کا اصرار تھا کہ وہ ختم شریف کی محفل میں ضرور شریک ہو گا۔ وہ اسی کے لئے آیا ہے۔ ۲۸ فروری کی صبح ہر سال وہ آٹھ بجے بن سنور کر جایا کرتا تھا۔ اس روز (جمعہ' ۲۸ فروری ۱۹۹۲ء) دس بجے کا وقت ہو گا۔ اس نے کہا کہ اسے اچھی طرح تیار کیا جائے۔ وہ کلاہ و دستار' شیروانی نہ پہن سکا' لیکن سر پر سفید رومال باندھا' آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ اسے پہیئے والی کرسی پر محفل میں لے جایا گیا' یہی شاید اس کی آخری خواہش تھی۔ قریباً نصف گھنٹے بعد وہ اپنے کمرے میں واپس آگیا اور چارپائی پر ڈھیر ہو گیا۔ میں نہ پوچھ سکی کہ وہ دادا جان کے مرقد پر سلام کو گیا تھا یا نہیں؟ مٹھن کو اب نہ دوا سے غرض تھی نہ غذا سے' وہ جانے کہاں مگن تھا۔ پانی کی طلب ظاہر کرتا رہا اور صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جپتا رہا۔ ہفتے کا دن تھا' مجھے کسی نے نہیں بتایا تھا کہ ڈاکٹروں

کی ظاہر کی ہوئی مدت پوری ہو چکی ہے۔ اپنے سرہانے کے دائیں طرف الماری کے آئینے پر مٹھن نے اپنے ہاتھ سے لکھی تحریر چسپاں کر رکھی تھی۔ وہ طرح طرح سے اپنے جانے کا اعلان کر چکا تھا۔ ہفتے کی دوپہر میری بہن (بی بی جان) سے اس نے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ ''کل صبح فجر کے وقت میں رخصت ہو جاؤں گا۔'' کہاں جاؤ گے؟ بہن پوچھتی رہی تھی۔ مجھے میری بہن نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ شام سے طبیعت کو قرار نہیں تھا۔ مٹھن کا تنفس دشوار ہو گیا تھا' آکسیجن ماسک وہ چہرے پر گوارا نہیں کر رہا تھا۔ مٹھن کی چھوٹی بہن اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔ بڑی بہن سرہانے بیٹھی تھی بابا جی سامنے تھے' پائنتی پر میں بھی تھی' میری بہو بھی تھی۔ دل پکار رہا تھا کہ انبیاء کی آزمائش کے تذکرے سنے پڑھے تھے' ایک نوجوان امتی کی یہ کیسی سخت آزمائش تھی۔ مٹھن کو اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا یاد تھا' وہ یہی کہے جا رہا تھا' حضور' آقا! نگاہ کرم! کیسی قیامت کی رات تھی۔ میں نے غلاف کعبہ اس کے سینے پر رکھا' مدینہ منورہ میں روضہ رسولؐ کی جالیوں سے مس کیا ہوا دوپٹا رکھا' اس نے چوما' چہرے پر پھیرا' دعا کی' اس نے سب ہی سے کچھ نہ کچھ کہا' سب کو دعائیں دیں' اس کی بہنیں کلمہ طیبہ کا ورد کر رہی تھیں۔ لطف اللہ نے مٹھن کے سر کو اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ علی الصبح کوئی چار بجے کی ساعت تھی۔ مٹھن نے لطف اللہ کو ''السلام علیکم'' کہا۔ لطف اللہ سمجھا کہ پیر جی اب سونے لگے ہیں' اس نے تکیے پر ان کا سر رکھ دیا۔ مٹھن نے کلمہ پڑھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا' حضور' اک نگاہ کرم! مٹھن نے دائیں پہلو چہرہ کیا ہوا تھا' اچانک اس کے تنفس میں روانی آئی' سب سمجھے کہ کچھ قرار آگیا ہے' دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اور پھر...... چند لمحے ہی گزرے..... مٹھن چلا گیا...... اسپیکر پر موذن درود و سلام پڑھ رہا تھا' فجر کی اذان شروع ہو چکی تھی.....

۳۶ برس پہلے ۱۴ رجب کی شب' چاند کی چاندنی پھیلی ہوئی تھی' ڈھائی بجے میرا مٹھن اس دنیا میں آیا تھا' ۳۶ برس بعد ۲۵ شعبان کی صبح' چاند دور کہیں' مدھم ہو چکا تھا' پانچ بجے صبح میرا مٹھن اس دنیائے فانی سے چلا گیا۔ آنے جانے کی ساعتوں میں ڈھائی گھنٹے ہی کا فرق

ہے' وہ بھی کچھ اتنی مختصر ہی جیا۔ گھر میں کیسا سناٹا ہے' شاید دنیا ہی ویران ہو گئی ہے۔ جی میں آئی کہ اپنے معبود' رب کریم سے پوچھوں کہ میرا تو ایک ہی لعل تھا' اسے میرا جنازہ تو اٹھا لینے دیا ہوتا..... معبود! میں تیری رضا پہ راضی ہوں' نہیں معلوم! کب تک روتی رہوں گی' بے صبری کا رونا نہیں' مٹھن جیسا لعل نظر نہیں آتا۔ محرومی' جدائی کا زخم رستا ہے' ہوک اٹھتی ہے تو آنسو ہی ترجمان ہوتے ہیں..... ایک سال تک وہ دور رہا تھا' اس کے واپس آنے کے انتظار میں وقت گزار لیا' اب وہ تو نہیں آئے گا' اب بہشت بریں میں مجھے اس کے پاس جانے کا انتظار کرنا ہو گا..... جانے کب تک!!

بیٹا! مٹھن کے بغیر کیسا محسوس کرتے ہو؟ تم تو بہت قریب تھے اس کے' میری دعا ہے بیٹا' میرے مٹھن کا یار سلامت رہے۔ مجھ سے پیر جی کی والدہ ماجدہ نے کچھ یہی کہا تھا' ماہ صیام کی ایک شام میں حضرت کرماں والا شریف گیا تھا۔ پیر جی سرکار کے بغیر کیا گزری' اپنا احوال کیا لکھوں! بے بے جی قبلہ یہ سب کچھ کہہ چکیں تو میرے دل میں آیا کہ کہوں میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں' کاش میں اس لائق ہوتا..... میرے پیر جی کا بدل کسی کے لئے بھی کوئی کہاں ہو سکتا ہے.....!!!

پیر جی کی اہلیہ محترمہ کہنے لگیں! بی بی جان (پیر جی کی خالہ محترمہ) نے میڈیکل رپورٹ پڑھ لی تھی' وہ جان گئی تھیں کہ پیر جی کو ڈاکٹروں نے مایوس ہو کر گھر بھجوایا ہے۔ لطف اللہ' پیر جی کے ساتھ آیا تھا۔ بی بی جان نے لطف اللہ سے فون پر ایک روز کہا کہ ہمیں رپورٹ سے بہت کچھ معلوم ہو گیا ہے تم ہمیں سب کچھ کہہ دو' لطف اللہ کم سن ہے لیکن پیر جی کے ساتھ رہ کر اس نے بہت کچھ سیکھ لیا تھا' وہ ہونٹ سیئے ہوئے تھا۔ بی بی جان نے اسے واسطے دیئے' لطف اللہ نے بی بی جان سے کہہ دیا اور شرط رکھی کہ بابا جی قبلہ اور بے بے جی تک بات نہ پہنچے۔ جس لمحے بی بی جان' لطف اللہ سے بات کر رہی تھیں' میں نے دوسری طرف سے فون پر سن لیا تھا' مجھے یہی محسوس ہوا کہ میں اپنی ٹانگوں پر کھڑی نہ رہ سکوں گی' میرا خون جیسے کسی نے نچوڑ لیا تھا' جانے کیسے میں بی بی جان تک پہنچی وہ از خود رفتہ ہو رہی تھیں' ان

کی نظر مجھ پر پڑی تو میرا ستا ہوا چہرہ اور پھیکا پڑتا رنگ دیکھ کر وہ بے تابانہ پوچھنے لگیں، تجھے کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟ میں نے فوراً کہہ دیا' بی بی جان! لطف اللہ سے آپ کی باتیں میں نے سن لی ہیں۔ بی بی جان ہاتھ جوڑ کر مجھ سے منت گزار ہوئیں کہ آپا جان (بے بے جی) کو خبر نہ ہونے پائے۔ میں نے انہیں یقین دلایا مگر اپنا احوال میں کسے بتاتی' مجھ میں اتنی تاب کہاں تھی کہ اپنی دنیا لٹنے کی خبر سن کر صبرو ثبات کا مظاہرہ کرتی' ایک ایک لمحہ قیامت ہو گیا تھا' نہ جانے دل نے لطف اللہ کی بات سن کر بھی یقین نہیں کیا تھا' مجھے یہی امید تھی کہ پیرجی ضرور اچھے ہو جائیں گے' اللہ کریم ضرور مہربانی فرمائے گا۔ پیرجی بہت بات نہیں کرپاتے تھے' ہر وقت ان کا چہرہ دائیں کروٹ رہتا تھا' میں نے کہا کہ گردن میں دکھن ہونے لگے گی' بل پڑ جائے گا' کچھ جواب نہیں دیا۔ غنودگی کے عالم میں اگر کبھی میں چہرہ دوسری طرف پھیر دیتی تو کچھ لمحے بعد دیکھتی کہ چہرہ خود بخود دائیں کروٹ پھر جاتا۔ شاید انہوں نے عادت پختہ کر لی تھی' وہ گمان کرتے ہوں گے کہ اگر دیار غیر میں بلاوا آ گیا تو جانے کوئی چہرہ دائیں کروٹ پھیرے نہ پھیرے!

مجھے "کہاں والی" پکارنے لگے تھے۔ میں نے فون پر انہیں کہا تھا کہ ڈاکٹر آپ کو آنے کی اجازت نہیں دیتے تو آپ مجھے لندن آنے کی اجازت دے دیجئے' مجھ سے نہیں سہا جاتا۔ کہنے لگے' نہیں تم نہ آؤ' میں کوشش کروں گا کہ مجھے گھر آنے کی اجازت مل جائے۔ میں نے ایک روز کہہ دیا کہ آپ اجازت نہیں دیتے اور آتے بھی نہیں' میں بھائی منیر کے ساتھ خود آ رہی ہوں۔ پاس پورٹ بھائی منیر کو دیا کہ اسلام آباد جا کر ویزا حاصل کریں' ادھر اچانک آلاء فاطمہ کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا۔ اس حالت میں بچی کو چھوڑ کے جانا مشکل ہو گیا' قدرت کو یہی منظور تھا۔ پیرجی کا فون آ گیا کہ میں جلد آ رہا ہوں' اجازت مل گئی ہے۔ شامی (پیرجی کے خادم) کو فون پر پیرجی نے بتایا کہ ان کے کمرے کی ترتیب اس طرح کر دو اور کموڈ وغیرہ رکھنے کی ہدایات دیں' دل گرفتہ شامی کہنے لگا کہ پیرجی کی تکلیف اسے آ جائے۔ پیرجی مسکرائے اور کہا! "شامی تم شاید ایک دن بھی نہ سہ سکو' اللہ کریم نے مجھے

تکلیف دی ہے تو اس کا حوصلہ و صبر بھی بخشتا ہے۔"

پیر جی گھر آئے تو بچیاں انہیں پہچاننے سے انکار کر رہی تھیں۔ بھائی جان! آپ کو کیا بتاؤں! وہ کتنی تکلیف میں تھے۔ میں ایک بار سانس لیتی تو وہ تین مرتبہ اس دوران سانس لیتے۔ خوش مزاجی میں فرق نہیں آیا تھا' میں کوئی خدمت کرتی تو ویسا تی لہجے میں دعا دیتے "اللہ حیاتی دے" میں نے کہا اللہ آپ کی عمر سو سال کرے' آپ سلامت رہیں' جئیں۔ کچھ نہیں کہا' کھینچ کے لمبی سانس لی۔ لسی پینے کی خواہش ظاہر کی' بابا جی نے فرمایا' تھوڑی سی پلا دو' میں نے لسی بنا کے پلائی۔ کہنے لگے' لسی پینے سے زندگی سنور جاتی' تو کیا ہی بات تھی۔ کسی غذا کو کہتی تو انکار کر دیتے۔ میں نے پوچھا! پورا سال گزر گیا' لندن میں ہم سب سے دور کبھی اداس نہیں ہوئے؟ کہنے لگے "ہاں! اداس ہی رہتا تھا' سبھی یاد آتی تھیں۔ فون پر بات ہوتی تھی تو طبیعت بہل جاتی تھی۔ میں نے کہا کہ آپ جب کہتے تھے کہ آج طبیعت اچھی ہے تو ہمارے بھی دو دن آسان ہو جاتے تھے' جب کبھی پتہ چلتا کہ آج طبیعت ٹھیک نہیں ہے' تو ہمیں کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ بھائی جان! زخم تو دیکھا تھا نا آپ نے! کیا ہو گیا تھا پیر جی کو' کیسی مشکل آپڑی تھی۔ واقعی پیر جی کا ہی حوصلہ تھا۔ ہم سب کو پچھلے سال زیارت و عمرہ پر لے گئے تھے اور ہم نے دعا کی تھی کہ اللہ کریم اولاد نرینہ عطا فرمائے' تو ہم سب ہی پھر حاضری دیں گے۔ میں نے کہا' پیر جی' حج کا اپنا الگ ہی مزا ہے' کہنے لگے' "کرماں والی! حج ایک ہی بار فرض ہے' عمرے سوا لاکھ سہی۔" پہلا حج جب کیا تھا' آپ بھی تو ساتھ تھے۔ پیر جی کو آپ خوب جانتے ہیں' کیسے تھے' میرا تو صرف دس برس ہی کا ساتھ رہا ....اب زندگی میں تو شامل ہوں مگر زندگی پہاڑ ہو گئی ہے' جانے کیسے کٹے گی......

بی بی جان (پیر جی کی خالہ جان) کہنے لگیں کو کب! ہم پیر جی کی خالائیں ہیں لیکن وہ ہمارا دوست تھا' ہمارے لاڈ اسی نے کیے' ہمارے مان اسی سے تھے' وہ کہا کرتا تھا کہ آپ سب نے میرے لاڈ کر کے مجھے بگاڑنے میں کسر نہیں رکھی' ہم کہا کرتے کہ ہمیں اپنے ارمان پورے کرنے کا موقع ہی کہاں ملا۔۔۔۔ اب سوچتی ہوں کہ واقعی ہم کہاں اس سے اتنا ملے'

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"بحیثیت مسلمان میرا اس بات پر پختہ ایمان ہے "کہ تمام تر بیماریوں اور تمام تر خطرات کے باوجود زندگی وقت سے پہلے ختم نہیں ہو سکتی اور تمام تر احتیاط کے باوجود وقت آنے کے بعد زندگی قائم نہیں رہ سکتی"

سید غضنفر علی شاہ صمصام بخاری

پیر جی سرکار نے اپنے ہاتھ سے یہ تحریر لکھی تھی اور اپنے کمرے میں اپنی چارپائی کے دائیں طرف آئینے پر اس طرح چسپاں کر رکھی تھی کہ ان کی نگاہ ہر دم اس پر رہتی تھی اور ان کے سرہانے شیشے کے فریم میں حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد صاحب شرق پوری رحمتہ اللہ علیہ کے دست مبارک سے لکھا ہوا اسم ذات "اللہ" کا عکس رہتا تھا۔

پیر جی سرکار کا آخری دیدار

اب یادیں ہیں اور آنسو ہیں۔ اس کی جوانی کو روؤں یا اس کی موہنی صورت کو' اس کی ہر بات یاد آتی ہے۔ وہی وہ تھا' ہم اپنے معاملات میں اس کی رائے پر انحصار کرتے تھے' وہ گھر میں نہ ہوتا تو طے پاتا کہ مٹھن کا انتظار کرو' وہ آئے گا تو اس سے رائے لیں گے۔ کیسی بیماری آئی' کیا شیر جوان تھا اور کیا ہو گیا تھا وہ لندن سے آیا تو دیکھا نہ جاتا تھا۔ میں نے میڈیکل رپورٹ حاصل کر لی تھی۔ ہم بہنوں نے رپورٹ پڑھی' حیران رہ گئیں' آپا جان (بے بے جی) ادھر آ گئیں' ہمارے چہرے آنسوؤں سے تر تھے وہ پوچھنے لگیں کیا بات ہے' تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو۔ ہم نے بات بنا دی اور انہیں کچھ نہ بتایا۔ مٹھن سے جب بھی لندن فون پر بات ہوتی تھی وہ یہی کہتا تھا میں رو بہ صحت ہوں' پوچھتا تھا' آپ کے لیے کیا لاؤں' میں یہی کہتی تھی' تم تندرست ہو کر آ جاؤ' خالہ کی یہی خوشی ہے۔ مٹھن جب لندن سے آیا اس کے ساتھ حاجی بشیر احمد جاوید صاحب کا پوتا' نوجوان لطف اللہ تھا' مٹھن نے مجھ سے کہا' بی جان! میں لندن سے لطف اللہ کو لایا ہوں' یہ وہ نوجوان ہے جس نے میری اتنی خدمت کی ہے کہ شاید کوئی اور نہ کر سکتا۔ آپ کو بھی تھکن یا اکتاہٹ کا احساس ہو جاتا' لیکن یہ کبھی نہیں تھکا' یہ اب یہیں رہے گا' آپ نے اس کا خیال رکھنا ہے۔ میں نے کہا خالہ صدقے! مٹھن جی میں آپ کے اس خادم کی ساری عمر خدمت کروں گی اور یہی کہوں گی کہ حق ادا نہیں ہوا' آپ سلامت رہو۔ میں شاید آداب دعا بھی بھول گئی تھی۔ اللہ سے جانے کیا کیا کہتی رہی۔ یہ وہی پھول تھا جسے ہر طرح لائق فائق دیکھنے کا میری ماں (مٹھن کی نانی جان) کو ارمان تھا' انہوں نے مٹھن کو دینی' دنیوی دونوں علوم میں سرفراز دیکھنے کے لئے مٹھن کی تربیت میں بڑی محنت کی تھی۔ اشرف المدارس اسکول اوکاڑا کے بعد مٹھن کو دنیوی تعلیم جاری رکھنے پر ننھیال نے ترغیب دی' مٹھن نے ایف سی کالج لاہور سے انٹر پاس کیا اور پھر اوکاڑا کالج سے بی اے کا امتحان دیا اور پنجاب یونیورسٹی لاہور سے امتیازی حیثیت سے اسلامک اسٹڈیز میں ماسٹر ڈگری حاصل کی۔ دینی تعلیم مٹھن نے اوکاڑا' بصیر پور اور بھیرہ میں حاصل کی۔ وہ علم کا خزینہ ہو گیا تھا۔ بھائی جان (بابا جی قبلہ) کو مٹھن کی تربیت

کا ہر طرح خیال رہا۔ انہوں نے علم کے ساتھ عمل میں بھی مٹھن کو ممتاز کیا' مٹھن' دربار شریف کی مسجد میں نمازوں کی امامت کرتا' جمعہ کا خطبہ اور جماعت کروانا اسی کے ذمے تھا۔ سفید لباس سادہ مگر صاف ستھرا پہنتا' خوش خوراک تھا اور ہر لقمے پر بسم اللہ پڑھا کرتا' کبھی اس نے کسی چیز پر منہ نہیں بنایا کہ وہ نہیں کھانا چاہتا' مٹھن کو فرمائشوں' نخروں سے واسطہ ہی نہ تھا۔ دوستوں یاروں کے ساتھ وہ شوخ بھی ہوتا تھا اور بزرگوں کے لئے وہ تواضع کا مرقع تھا! اس کے بچپن کے ساتھی جاوید اقبال چاندا' جہاں گیر اور آپ (کوکب) تھے' اسلم سیال' قاری صغیر یونیورسٹی کے ساتھی تھے۔ پیر عارف شاہ اور قاضی اسلم علی بھی اس کے قریب تھے۔ اب لطف اللہ ہردم مٹھن کے ساتھ تھا' سائے کی طرح! مٹھن نے اسے گھر کا فرد بنالیا تھا۔ لطف اللہ سے میں نے پوچھ لیا کہ مجھے سچ سچ بتادو' مٹھن کی حالت بتارہی تھی کہ اسے کوئی افاقہ نہیں۔ لطف اللہ نے بتایا کہ ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ ہمیں کوئی امید نہیں' بہتر ہے کہ انہیں ان کے قرابت داروں میں لے جاؤ' شاید ان میں رہ کر چند دن زیادہ گزارلیں۔ خود ہی پوچھا تھا' سنانے والے سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ برداشت دیکھ کر کہا ہوتا۔ آپا جان سے اس خبر کو چھپانا ضروری تھا' بھائی جان سے بھی نہیں کہا۔ مٹھن کے سامنے مسکرانے کا حوصلہ کرنا پڑتا تھا حالاں کہ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ میں واقعی مٹھن کی ایسی خدمت کہاں کرسکتی تھی' مجھے خود کو سنبھالے رکھنا دشوار ہو رہا تھا' ایسی خدمت لطف اللہ ہی کا حصہ تھا۔ ہفتہ ۲۹ر فروری ۱۹۹۲ء کو ظہر کے بعد مٹھن نے مجھے کہا' "بی بی جان! صبح فجر کے وقت میں چلا جاؤں گا" میں جانتی تھی وہ کیا کہہ رہا ہے پھر بھی پوچھا "خالہ کی جان! کہاں چلے جاؤ گے؟" مٹھن نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضور اک نگاہ کرم' یہی صدا سنی۔ رات جاوید اقبال چاندا آیا' اس نے چاہا کہ مٹھن اس سے کوئی بات کرے' مٹھن اسے جس لفظ سے پکارتا تھا چاندا کہتا رہا کہ اسے ایک بار پھر مٹھن اسی لفظ سے پکارے۔ چاندا گریہ کرتے ہوئے چلا گیا۔ مٹھن شاید اس دنیا سے اپنے تئیں منہ موڑ چکا تھا' اس نے کہیں اور ناتا جوڑ رکھا تھا۔

صبح وہ فجر کی اذان شروع ہوتے ہی چلا گیا..... موت بھی شاید اپنے کیے پر پشیمان ہو گی' کون چلا گیا..... یوں لگتا ہے بھرا پرا گھر خالی ہو گیا ہے' مٹھن کی برداشت' اس کے حوصلے اس کے صبر کی مثال دی جا سکتی ہے' سوچتی رہی کہ اللہ نے مجھے کیوں نہ بلا لیا' میں کون سی اہم ہستی ہوں' مٹھن تو دین کا مبلغ تھا' اسلام کا سپاہی تھا' اس کا ہر لمحہ با مقصد تھا مگر۔

بجھ گئی وہ شمع جو مقصود ہر پروانہ تھی

کوکب! میں اپنی کیا کہوں' سلام کرتی ہوں بھائی جان (باباجی) کو' صبر و ہمت ان اللہ والوں ہی کا حصہ ہے' اللہ ان کا دم سلامت رکھے۔ میرے مٹھن سا کوئی نظر نہیں آتا' اس کی کمی دن بہ دن زیادہ محسوس ہو رہی ہے' اللہ اسے جنت میں آسودہ رکھے.....!

پیر جی کی بڑی ہمشیرہ باجی جان کہنے لگیں.... شاید میں کچھ سے زیادہ تمہارہ گئی ہوں' دور جا بسی ہوں نا! میں جب کہتی' مٹھن مجھے لینے پہنچ جاتا' مہر و محبت ہی اس کی خو تھی' پچھلے سال اس نے زیارت و عمرہ کا عزم کیا' مجھے بتائے بغیر میرے لیے بھی ٹکٹ لے لیا اور ساتھ لے گیا۔ دوران سفر اور مدینہ منورہ میں اسے سبھی کی آسائش کا خیال دامن گیر رہا۔ بار بار پوچھتا تھا' باجی جی' جس چیز کی ضرورت' طلب ہو' ضرور کہیں۔ حاجی سلیم صاحب (فیصل آباد) کے اہل خانہ سب ساتھ تھے۔ آٹھ دن مدینہ منورہ میں رہے' مٹھن کو گوارا نہیں تھا کہ ہمیں کسی طرح کوئی دشواری ہو۔ سب مجھے بڑی شہزادی کہتے ہیں' مٹھن تھا تو ہم شہزادیوں ہی کی طرح تھے' وہ ایسا بھائی تھا جس پر ناز تھا' اسے کب گوارا تھا کہ ہماری آنکھوں میں آنسو آئیں۔ اب مٹھن نہیں ہے' اب آنکھوں میں آنسو ہی بھرے ہیں' یہ کیا ہو گیا' دنیا ہی اندھیر ہو گئی۔ صبر و ہمت بھی اللہ کی عطا پر ہے' اللہ مجھے اور سب کو صبر دے.....

پیر جی کی چھوٹی ہمشیرہ کچھ نہ کہہ سکیں' پیر جی ان کی بہت ناز برداری کرتے تھے۔ پیر جی سا بھائی جدا ہو جانے پر کیا کچھ نہ بیتی ہو گی' بہنوں کے مان ہی بھائیوں سے ہوتے ہیں اور جن بہنوں کا بھائی پیر جی سا ہو' ان کی کوئی کیا کہے!

پیر سید محمد جمیل الرحمٰن چشتی' پیر جی کے بڑے بہنوئی ہیں۔ وہ مجھے پیر جی کے اس

کمرے میں لے گئے جو کمرہ شادی سے پہلے پیر جی کا کمرہ تھا' اسی کمرے میں پیر جی مجھے ٹھہراتے تھے۔ پیر جمیل الرحمٰن کہنے لگے' یہ آپ ہی کا کمرہ تھا۔ پیر جی کی کتابیں' ڈائریاں رکھی تھیں۔ ماسٹر غلام رسول صاحب کے پیر جی کے نام خطوط رکھے تھے' پیر جی کے نام مجھے اپنا لکھا ہوا ۱۹۸۰ء کا ایک خط ملا۔ مجھ پر کپکپی سی طاری تھی۔ پیر جی کی چھوٹی بیٹی مجھے ملنے آئی۔ ۱۹۸۷ء کے سفر حج میں ڈاکٹر محمد اظہر بھٹہ صاحب کے ہاں' وڈیو میں میری پیر جی کے ساتھ کچھ جھلکیاں اور گفتگو اس نے دیکھی ہوئی تھی۔ میں زیادہ دیر وہاں نہ ٹھہر سکا۔ دربار شریف میں پیر جی کے قدموں بیٹھا روتا رہا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں کبھی حضرت کرماں والا شریف گیا ہوں اور مجھے تنہا وہاں وقت گزارنا پڑا ہو' پیر جی مجھے ساتھ رکھتے تھے۔ صبح ہوئی' میں نے لطف اللہ سے پوچھا! لندن میں پیر جی کے ساتھ آپ ہی زیادہ رہے بلکہ آپ ہر وقت ساتھ رہے۔ مجھے کچھ بتایئے! لطف اللہ نے کہا! پیر جی بہت زیادہ بیمار تھے لیکن خوش کلامی میں فرق نہیں آیا۔ ڈاکٹروں اور ہسپتال کے عملے کو اتنا مانوس کر لیا تھا کہ سب ہی خوش تھے۔ ڈاکٹروں کو السلام علیکم کہنا سکھایا اور کہا کہ یہ سلام ہر وقت الفاظ کی تبدیلی کے بغیر کہا جاتا ہے' صبح' دوپہر' شام اور رات کے انگریزی "گڈ مارننگ' گڈ نائٹ" کی طرح نہیں۔ Thank you کی جگہ "شکراً" اور اس کے جواب میں "عفواً" کہنا بھی سکھا دیا تھا جو پورے ہسپتال میں سب کو یاد ہو گیا تھا۔ پیر جی کو غنودگی رہتی تھی' دوائیں ہی غذا ہو گئی تھیں جب کبھی ان کے گھر سے فون آتا' چہرے پر رونق آجاتی' پیر جی قوت ارادی سے اپنی توانائی کا مظاہرہ کرتے اور اپنی نقاہت چھپاتے' کبھی ہمت ساتھ نہ دیتی تو کہتے نیند کا اثر ہے اس لیے آواز ایسی ہو رہی ہے۔ فون منقطع ہوتا تو ان پر نقاہت کا اتنا غلبہ ہو جاتا کہ دو چار گھنٹے بالکل بے سدھ رہتے۔ "حضور اک نگاہ کرم اور یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدا دہراتے رہتے۔ میں انہیں نیند کرنے کے لیے کہتا رہتا۔ ایسی شدید بیماری' ہسپتال کا چھوٹا سا کمرہ اور سال بھر کا طویل دورانیہ' پیر جی تحمل اور ضبط کی مثال تھے۔ عیادت کرنے کو جو کوئی آتا' پیر جی اسے اپنی خوش کلامی سے ہنساتے رہتے۔ ایک دن ڈاکٹر نے مجھے پیر جی کے

سامنے کمرے سے باہر آنے کو کہا' میں ڈاکٹر کے ساتھ کمرے سے باہر آیا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ "آپ کو کہنا چاہتا ہوں کہ انہیں ان کے قرابت داروں میں' ان کے گھر والوں میں لے جایئے' میرا اندازہ یہی ہے کہ کوئی تین ہفتے یہ گزار سکیں گے' گھر والوں میں طبیعت بہل گئی تو مدت دو ماہ تک بڑھ سکتی ہے' ہم مایوس ہو چکے ہیں۔" میں تھکے قدموں سے کمرے میں آیا تو پیر جی نے پوچھا "لطفو! ڈاکٹر نے جواب دے دیا نا؟" میں سنبھل گیا اور کہا کہ وہ تو پیسوں کی بات کر رہا تھا کہ رقم ڈپازٹ نہیں کروائی۔ پیر جی نے کہا کہ "سال بھر تو کبھی اس نے پیسوں کی بات نہیں کی' تم کہتے ہو تو ایسا ہی ہو گا۔" پیر جی کو اندازہ ہو گیا تھا' پیر جی گھر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ یہاں آ کر وہ اچھا محسوس کر رہے تھے' مجھے توقع تھی کہ طبیعت میں فرق آئے گا۔ مجھے گھر کا فرد بنایا اور سبھی سے میری بہت تعریف کی۔ میری خدمت کا خوب چرچا کیا' پیر جی جیتے رہتے تو میری خدمت کار آمد ہوتی لیکن وہ تو چلے گئے۔ آخری سلام انہوں نے مجھی کو کیا۔ مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ لندن جائیں گے تو اکٹھے جائیں گے ورنہ تم بھی نہیں جاؤ گے۔ میں نے وعدہ کر لیا ایک روز کہنے لگے "لطفو! وعدہ یاد رکھنا' لطفو وعدہ بھولنا نہیں۔" میں اب یہیں رہوں گا' یہاں اپنے پیر جی کے پاس۔

ہدیۂ تشکّر

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

حضرت پیر جی سرکار قدس سرہٗ الغفار نے دین و ملت کی بھرپور خدمت کی' وطن عزیز کی خدمت کی' اہل طریقت کی خدمت کی' اپنے دادا جان حضرت گنج کرم رضی اللہ عنہ اور اپنے والد گرامی حضرت بابا جی قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کے وابستگان کی خدمت کی' انہوں نے خدمت و عبادت ہی میں بسر کی۔

پیر جی سرکار کی طبیعت ناساز ہوئی تو عقیدت مندوں نے خود کو وقف دعا کر دیا۔ فیصل آباد کے حاجی محمد سلیم صاحب' ان کے بھائیوں اور اہل خانہ نے' کراچی کے چوہدری محمد شریف صاحب' حاجی عبد الغفار میمن نے اپنے شب و روز کا بیشتر وظیفہ ہی پیر جی سرکار کی خدمت بنا لیا۔ لندن کے الحاج بشیر احمد جاوید اور ان کے اہل خانہ بالخصوص ان کے نوجوان پوتے عزیزی لطف اللہ نے جس طرح خود کو پیر جی سرکار کے لیے وقف کیا وہ بلاشبہ ایک مثال ہے' اخلاص و عقیدت کی مثال!

آستانہ عالیہ حضرت گنج کرم رضی اللہ عنہ کے تمام وابستگان صمیم دل سے دست بہ دعا ہیں کہ اللہ کریم اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے ان سب کو دارین کی نعمتوں' سعادتوں اور ہر خیر سے نوازے۔

اللہ کریم ہم سب کو حق پر استقامت عطا فرمائے اور آل رسول سے ہماری محبت کو سچا اور نافع فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

کوکب غفرلہ

پس لفظ

میری شدید خواہش تھی کہ اس کتاب میں پیرجی سرکار کے چند وہ مقالے بھی شامل کروں جو وہ اپنے جد اعلیٰ حضرت گنج کرم علیہ الرحمہ کے عرس شریف کی سالانہ محفل میں پڑھا کرتے تھے۔ ان تقاریر سے حضرت پیرجی سرکار کے علمی تبحراور عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اندازہ اور پیرجی سرکار کے مسلک و طریق کا واضح اظہار بھی ہوتا تھا۔ وہ مقالے باوجود سعی بسیار کے مجھ تک اس کتاب کی طباعت کے مرحلے تک نہیں پہنچ سکے۔ امید ہے کہ وہ مقالے ضرور کتابوں میں محفوظ ہوجائیں گے اور تمام وابستگان کے لیے سرمایہ ثابت ہوں گے

علاوہ ازیں مجھے یہ بھی کہنا ہے کہ یہ کتاب چند یادوں اور یادگاروں کا مجموعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں بہت کچھ نہیں ہے 'یوں بھی عقیدت کا بیان کہاں مکمل ہوتا ہے۔ مجھ ہیچ میرز کی اتنی بساط بھی نہیں 'اسے اس حقیر کا اپنے پیرجی سرکار کے حضور ایک ہدیہ جانیے' باقی آئندہ بشرط زندگی انشاء اللہ۔

جو خامیاں نظر آئیں' وہ میری کوتاہی ہیں' کچھ پسند آجائے تو اسے پیرجی سرکار کا تصرف سمجھیے۔ اللہ کرے میرا یہ ہدیہ قبول ہوجائے۔ مخدومی حضرت باباجی قبلہ حفظہ اللہ تعالیٰ اور تمام مشفق و مہربان معاونین کا تہہ دل سے شکر گزار اور سبھی سے دعاؤں کا طالب ہوں۔

فقیر کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

آستانہ حضرۃ گنج کرم